بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی

رسالہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

قادیان سے ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

نمبر ۳ ۔ ۵ مارچ ۱۹۳۷ء سنہ ۔ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ سنہ جلد ۳۶

ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین اکمل

فہرست مضامین

ضرورت مذہب ۷۷/۹۶

مسیحی کلیسیا کا بانی ۹۷/۱۰۰

قند پارس ۱۰۱/۱۰۵

المقتبسات والملتقطات ۱۰۵/۱۱۶

مترجمہ ریویو انگریزی
(از عبد الرحیم شبلی)

گ

فاضل اجل شاعر بے بدل حضرت بسمل

(ماخوذ)

اندرون ہند سے تین روپے سالانہ — مستحق طلباء اور غرباء احمدیوں سے — بیرون ہند سے تین روپے ۸ سالانہ

جناب ناظر صاحب تالیف و تصنیف کا سفارش نامہ

برائے توسیع اشاعت اُردو رسالہ ریویو آف ریلیجنز

برادران! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ریویو اُردو کے بارہ میں ایڈیٹر صاحب نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں اس کے متعلق احباب سے تحریک کروں کہ اس کی اشاعت کی توسیع کے لئے کوشش کی جائے۔ صحیح اور حقیقی کوشش جو کسی اخبار یا رسالہ کی توسیع اشاعت کے لئے کی جاسکتی ہے۔ وہ تو خود ایڈیٹر صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی یہ کہ وہ رسالہ میں ایسی ظاہری اور باطنی خوبیاں جمع کردیں کہ وہ خود بخود لوگوں کی توجّہ کا جاذب بن جائے۔ لیکن چونکہ ریویو کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف سے خاص تحریک ہوئی تھی۔ اس لئے میں بھی اس تحریک میں شامل ہوکر احباب سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کو دوسرے رسالہ جات یا اخباروں کی طرح نہ سمجھیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ارشاد کے ماتحت اس کی اشاعت کے لئے خاص طور پر کوشش کرکے عنداللہ ماجور ہوں۔ کیونکہ توسیع میں حصّہ لینا صرف ایک مفید لٹریچر کی اشاعت ہی نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ارشاد کی تعمیل بھی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اشاعت کے بڑھنے سے اس کی ظاہری اور باطنی خوبیوں میں بھی اضافہ کی صورت ہو جائیگی اور ایڈیٹر صاحب اس کی طرف زیادہ توجّہ دیکے اسے اس تعریف کا حقدار بنانے کی کوشش کرینگے۔ جن کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے لئے خاص تحریک فرمائی تھی فقط

والسّلام

مرزا بشیر احمد ناظر تالیف تصنیف

نوٹ ضروری:- حضرت ناظر صاحب تالیف تصنیف کی سفارش کے احترام میں ہر مقام جماعتوں کے معتمدین مہربانی فرماکر رسالہ ریویو اُردو کیلئے خاص تحریک فرمائیں اور جسقدر خریدار مہیّا ہوسکیں ان سے ہمیں براہ راست اطلاع دیں ایسے اصحاب کے نام خاص طور پر رسالہ میں شائع کئے جائینگے۔ اگر ہر جماعت کے دو چار پُرجوش دوست کھڑے ہوجائیں اور عزم بالجزم کریں کہ دس دس نئے خریدار پیدا کرکے دینگے تو انشاءاللہ تعالیٰ مفید نتیجہ ہوگا۔ واللہ الموفق۔

خاکسار ایڈیٹر اُردو ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان دارالامان۔ پنجاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ضرورتِ مذہب

{ہم ذیل میں جناب مبارک احمدؐ صاحب (فیو لنگ) لندن کے ایک محققانہ مضمون کا ترجمہ شائع کرتے ہیں۔ جس قلیل عرصہ میں ہمارے نومسلم بھائی نے دین اور اُس کی اہمیّت کو سیکھا اور سمجھا ہے وہ یقیناً ہم سب کے لئے باعثِ ازدیادِ ایمان و قابلِ رشک ہے۔}

تحدیدِ مذہب

"ضرورتِ مذہب" سے مُراد مذہب کا لابُدی ہونا ہے یا دوسرے الفاظ میں اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ایک مذہبی نظریہ ہونا چاہیئے۔ اور اِسی تعریف کی روشنی میں مَیں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔

پہلے ضروری ہے کہ ہم مذہب کے تمام پہلوؤں کی تعریف کریں اور دیکھیں کہ انسان کے اندر کیا کیا روحانی خصائص ہیں۔ اور پھر ہم دیکھیں گے کہ اُن خصائص کو انسانی فائدہ کے لئے کس طرح بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

"ریلیجن" ایک عجیب اور ناقابلِ تحدید لفظ ہے۔ اور اِس کا مادّہ و مأخذ بھی پردۂ اخفا میں ہے۔ انگریزی میں ہم اِس کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ خیالات کا ایک ایسا مجموعہ جس پر ایک ایسے خارق العادت دماغ کا اثر پڑ رہا ہو جو دُنیا کا نظام چلا رہا ہے یا ہمارے دماغ کے ایسے پہلو جن کا تعلّق کسی مابعد الطبیعاتی اور غیر ارضی شئے سے ہے۔

علومِ منضبط و غیر منضبط

انسان کے دماغی رجحانات خواہ اُن کا مذہبی یا روحانی مفہوم لیا جائے اپنی خصوصیات میں

اِس قدر مفصّل اور متنوع ہیں کہ ایک خالص مذہبی علم کو اُن سے جُدا کرنا سخت دشوار ہے ۔

علم کے منطقیانہ حصّے مثلاً ریاضی۔ طبیعات اور کیمیا "مطلق" اور "منفرد" علوم ہیں۔ کیونکہ وہ ایک حد تک اپنے قواعد وضوابط میں باقاعدہ اور معیّن ہیں۔ لیکن اخلاقیات اور قانون ایسے علوم میں کوئی مقرّرہ اصول نہیں ہیں۔ مثلاً ایک ملک کا انصاف دوسرے ملک کا ظلم سمجھا جا سکتا ہے ۔

انسان کا طریقِ عمل نہایت متنوع اور پیچیدہ ہے اور انسانی اعمال و حرکات کے ساتھ تعلّق رکھنے والے اصول کا تجزیہ کرنا یا اُن کو مدوّن اور مترتب کرنا سخت دشوار ہے۔ کیونکہ جہاں ریاضی اور دوسرے علومِ منضبط آب و ہوا یا قومیت کے اثر کے ماتحت اپنے اصولوں میں تبدیل نہیں ہوتے وہاں معاشیات اور سیاسیات کے اصول (باوجود اُن باتوں کے جو یونیورسٹیاں ہمیں بتاتی ہیں) پانی کی طرح غیر مستقل ہیں اور قومی رائے کے ساتھ ساتھ وہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں ۔

جو علوم ریاضی کی طرح اپنے اصول میں نہایت باقاعدہ ہیں اُن کو "منضبط" کہتے ہیں کیونکہ وہ ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو تجربہ سے بے نیاز ہیں اور ایک اصول کے ماتحت ہیں۔ آپ اعداد و شمار کو بغیر کسی ٹھوس شے سے منسوب کرنے کے مداری کی طرح اُلٹ پلٹ سکتے ہیں۔ مثلاً ۵+۴=۹ ہی ہونگے خواہ وہ دروازے ہوں یا میزیں ۔

جو علوم ریاضی کی طرح نہیں ہیں اُن کو "غیر منضبط" کہتے ہیں کیونکہ اُن کو ہم چھونے محسوس کرنے اور معرضِ عمل میں لانے کے بغیر نہیں سیکھ سکتے۔ دوسرے الفاظ میں ہمارے لئے اُن باتوں کا تجربہ کرنا ضروری ہے ۔

معاشیات انسان کے دولت سے تعلق پر بحث کرتی ہے لیکن صرف اُس حد تک جب آدمی اعتدال سے کام کر رہا ہو۔ اگر کوئی شخص مالیات کی گاڑی اُلٹ بھی دے تو بھی ہم معاشی قوانین کے حرکت میں آنے کو بعض دوسرے واقعات کے التواء وغیرہ کے ذریعہ سے روک سکتے ہیں ۔

اب ہم مذہب کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ علوم کی کس شق میں اُسے رکھا جا سکتا ہے۔ کیا مذہب روحانی اور ایک باقاعدہ علم ہے؟ جب ہم لوگوں کو مصیبت زدہ دیکھتے ہیں تو کیا ہم اُن سے اِس لئے ہمدردی روا رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں معاوضہ دیں گے؟ یا اِس لئے کہ ہم اُن پر ترس کھاتے ہیں؟ اِسی طرح جب ہم غرباء کو روپیہ دیتے ہیں تو کیا ہم اپنی شہرت

کی غرض سے دیتے ہیں یا محبت کے نقطہ نظر سے؟ جب ہم محض ہمدردی کی غرض سے کسی کو تسلی دیتے ہیں تو ہم ایک اعلیٰ و افضل کام کر رہے ہوتے ہیں ایک ایسا کام جو دل اور رُوح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور کسی دیگر جذبہ کے ماتحت نہیں کیا جاتا ٭

برخلاف اِس کے جب ہم پر وارفتگی طاری ہوتی ہے تو ہم ایک غیر محاط وجود کے سامنے دعا اور عبادت کے لئے جُھک جاتے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب ایک "غیر منضبط" علم بھی ہے ٭

پس مذہب ایک اعلیٰ و افضل علم ہے جو منضبط بھی ہے اور غیر منضبط بھی ٭

مذہب اعلیٰ ترین علم ہے

رُوحانی آدمی کا دماغی رجحان اُس کے تعلق باللہ اور تعلق بالنّاس پر مبنی ہے۔ بس مذہب ایک اعلیٰ و افضل علم ہُوا جو خدا اور بندوں دونو سے متعلق ہے۔ مذہب دُنیا کے دونو قسم کے مسائل پر بحث کرتا ہے یعنی خدا پر بھی جو بہترین خالص اور غیر متعین اخلاقی نظریہ ہے۔ اور دُنیا پر بھی جو حقیر ترین۔ ناپاک اور ارزاں ترین ہے ٭

مذہب کے اقسام

یہ معلوم کر کے کہ مذہب تمام علوم کا عرش ہے تمام اشغال کا اُہرن ہے۔ اور تمام روحانی کاوشوں کی کلید ہے اب ہم دُنیا کے بعض مذہبی نظائر پر بحث کرتے ہیں :-

لفظ "ریلیجن" میں ہمیں بے شمار معانی نظر آتے ہیں۔ اکثر مفکرین نے کئی اقسام کے مذاہب بیان کئے ہیں لیکن بڑی بڑی قسمیں صرف دو ہیں۔ نیچری اور اخلاقی ٭

شروع شروع میں انسان کی وجدانی یا رُوحانی قوّت اپنے ماحول کے اثر کے ماتحت خوابیدہ ہوئی اُس کا دماغ شعریت پسند تھا۔ وہ شبنم کی چمک۔ خرگوشوں کی منہ منہ۔ اور طوطوں کی چیخم چہاڑ پر غور کرنے لگا اور اُسے محسوس ہُوا کہ وہ زندگی اور بقا کا نہایت خواہشمند ہے۔ اس لئے اُسے ایک ایسے اعلیٰ علم کی جستجو ہوئی جو اُس کو رموزِ فطرت سے روشناس کر سکتا۔ اِس "مذہب" کو ہم "آغازِ نیچریت" کہہ سکتے ہیں ٭

بعد ازاں انسانوں نے خیال کیا کہ اِن قدرتی اور ٹھوس اشیاء کی پُشت پر جنّ۔ پریاں اور

دیوتا ہیں جو نیکی کے دفاع کے لئے شیطان سے لڑ رہے ہیں ۔

پھر ایک جماعت لوگوں کی ایسی آئی جس نے جادوگرنیوں اور عاملوں پر اپنا یقین رکھنا شروع کیا۔ لیکن اُن کی جھاڑ پھونک اور ڈھول ڈھمکے ایک بدترین رسم بن کر رہ گئے ۔

بعد میں ایک فرقہ نے بادشاہوں یا گداگروں کو پیر و مرشد بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ یہ گویا ایک سے زیادہ خداؤں کو انسان کی شکل میں پوج کر شرک کرنے کا آغاز تھا۔ یہ زیادہ تر ہندو مت کا عقیدہ ہے کیونکہ اُنہوں نے اپنی تمام تاریخی ہستیوں کو دیوتا بنا لیا ۔

متذکرۃ الصدر چار شقیں نیچری مذہب کی ہیں ۔

دوسری قسم مذہب کی اخلاقیات ہے جو زیادہ فلسفیانہ اور پیچیدہ ہے۔ اُس کی شقیں در شقیں بھی ہیں لیکن آپ کو سمجھانے کے لئے صرف دو کا تذکرہ کافی ہے یعنی خدائے واحد میں ایمان اور شرک یعنی ایک سے زیادہ دیوتاؤں میں ایمان ۔

اخلاقی مذاہب میں مرکزی نقطہ انسانی اعمال ہیں۔ نیچری مذاہب میں انسان اپنی ضمیر کا خیال نہیں رکھتا بلکہ دُنیا اور اُس کی خصوصیات کو اپنے اعمال کا رستہ تجویز کرنے کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔ اخلاقی مذاہب میں ہمارے تمام اعمال و افعال اُن باتوں پر مبنی ہوتے ہیں جو انبیاءؑ یا دیگر مصلحین ہمیں بتاتے ہیں۔ نیچری مذاہب میں ہماری ہدایت خدا کے مقرر کردہ اشخاص نہیں کرتے بلکہ تمام قوم کرتی ہے جو اندھا دھند زمانہ کے میدانوں میں بھیڑوں کی طرح چل رہی ہوتی ہے ۔

مشہور مبالغہ پسند فلسفہ دان ہیجل نے ایک دفعہ کہا تھا کہ مذاہب تین قسم کے ہوتے ہیں :-

اوّل۔ مذہبِ فطرت۔ جو قریباً وہی ہے جس کو میں نیچری مذہب کہتا ہوں یعنی قدرت۔ جنّ۔ بھوت۔ پریاں۔ جادو اور انسان نما خدا ۔

دوّم۔ روحانی منفردیت جو ایک طرح سے اسلامی اجتہاد کے مترادف ہے جہاں انسان اپنی ضمیر کا تتبع کرتا ہے اور اس بات پر اُس کا ایمان ہوتا ہے کہ جو اُس کے ذہن میں آتا ہے وہ بالکل درست ہے ۔

تیسرے۔ ہیجل کے خیال میں رُوحانیتِ اعلیٰ ہے اور یہاں وہ یہ ثابت کرتے ہوئے ذرا بے راہرو ہو جاتا ہے کہ عیسائیت روحانی ثقافت کی اعلیٰ ترین مثال ہے ۔

مذہب کے اِس انتشار کے علاوہ نسلی پہلو۔ مقامی رنگ اور عقائد و مزعومات کی بھول بھلیاں بھی غالب آرہی ہیں اور اِن سب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب کے مفہوم کو پہلے سے ادق اور پیچیدہ بنادیں ؂

انسان کے روحانی خصائص

مَیں نے مختصر طور پر "ریلیجن،، کے حیطۂ عمل کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور کم سے کم امثلہ کو استعمال میں لاکر اُس کی مختلف شقیں بیان کی ہیں ؂

اب مَیں بتانے کی کوشش کروں گا کہ انسان میں فطرتِ روحانیہ کی کونسی خصوصیتیں ہیں:۔

سب سے پہلے مَیں ایک مشہور آدمی کا محاکمہ بیان کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے کہ کم از کم ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ کہ وحشی اور مہذب آدمی اِس معاملہ میں برابر ہیں کہ ہم اُن کے مزعومات و معتقدات کی تشریح ایک ہی رنگ میں کر سکتے ہیں۔ ہم وحشیوں کے خیالات کو "جذبات،، اُسی طرح نہیں کہہ سکتے جس طرح ہم اپنے خیالات کو ایسا نہیں کہہ سکتے ؂

یہ ہیں وہ باتیں جن پر میرے مضمون کی بناء ہوگی ؂

ہر شخص جو شکمِ مادر سے پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت اُس میں وہی جسمانی قابلیتیں ہوتی ہیں جو اُس کے والدین کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ اور اُس میں رُوحانیت کی ترقی کے لئے وہی اہلیت موجود ہوتی ہے جو اُس کے ماں باپ کے اندر ہے ؂

اِس امر کی وضاحت کہ انسانوں کی اخلاقی مقدرت میں ہر جگہ مساوات پائی جاتی ہے اِس بات سے ہو سکتی ہے کہ متمدّن لوگ بھی گرجاؤں اور محرم کی رسومات میں قریباً وہی غلطیاں کرتے ہیں جو گوشت اور سالن سے بھری ہوئی دیگ کے گرد مردم خور اقوام کرتی ہیں۔ مذہبی آدمی تو ہانگ کانگ کی دلدلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ سائبیریا کے بیاباتوں میں بھی موجود ہے۔ لندن کے تاریک شہروں میں بھی ہے اور نفرت انگیز پیٹگونیا میں بھی اُس کی موجودگی ظاہر ہے اور ہر مقام پر وہ ظالم اور جیفہ دُنیا کے خلاف جنگ آزمائی میں مصروف نظر آتا ہے۔ تہذیب و تمدّن کا اخلاقی اور روحانی مشاغل کی ترقی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور یہی نقطہ ہے جس پر مَیں زور دینا چاہتا ہوں مہذّب اور متمدن ہونے کی خصوصیّت تو خدا تعالیٰ کی مخلوق میں ودیعت کی گئی ہے۔ اور انسانوں کو اعلیٰ و افضل طریقۂ کار (روحانیت) معلوم کرنے کے لئے سونے کے کمرہ میں ٹھنڈے پانی یا ٹیلیفونوں کی ضرورت نہیں ؂

یہ اسلامی تعلیم ہے کہ انسان بنیادی طور پر سب برابر ہیں۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر شخص کو حقوق میں۔ نیکی کی تقلید میں۔ معاشری اور اقتصادی دُنیا میں مساوات دیتا ہے ؎

نیز یہ بیان کرنا عین قرینِ انصاف اور دانشمندی ہوگا کہ مذہبی جذبہ پیدا کرنے کے لئے تمام بنی نوع انسان میں اہلیت برابر موجود ہے۔ صرف مشکل یہ ہے کہ تمام انسان مساوی طور پر غور و فکر نہیں کرتے اور بالخصوص اُن معاملات میں جو اُن کے وجدان کے ساتھ وابستہ ہیں ؎

پراچین کے ہندو مت کی رسومات اب پہلے کی طرح پیچیدہ نہیں رہیں۔ ابتدائی انگلستان کے خدامِ گرجا کی رسومات (جو اَب شومئی قسمت سے انگلش چرچ کی روزانہ عبادت کا ایک جزو بن کر رہ گئی ہیں) میزبان کی برکت کی رسم سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ خوفناک بُت پرستی جو ایشیا میں تبّت سے سیلون تک اور عرب سے جاپان تک مروّج تھی اپنے وقت میں اعلیٰ و افضل خدا کے عقیدہ کے دوش بدوش قائم رہی ؎

کیا یہ بدیہی حقیقت نہیں کہ زندگی کے جُملہ مسائل کا حَل صرف ایک ہے۔ اسلام اعلان کرتا ہے کہ اُس نے ہر قوم اور ہر ملک میں ایک ہادی اور نذیر مبعوث کیا جس نے لوگوں کو اپنی اخلاقی حالت درست کرنے کی تلقین کی اور اپنی روحانیت بڑھانے کی وجوہات پیش کیں ؎

کیا اسلام نیچریوں کو صاف طور پر نہیں کہتا کہ "ہاں یہ سب چیزیں جو تم دیکھتے ہو خوبصورت ہیں لیکن اُن کی کچھ بھی حقیقت نہیں اگر تم اِن اشیاء کے خالق و مالک کو نہیں پہچانتے"۔ کیا اسلام جادوگرنیوں اور عاملوں کی کشش کا ازالہ نہیں کر دیتا؟ کیا اسلام شرک کی بیہودگی کو خس و خاشاک کی طرح بہا نہیں دیتا؟ کیا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اشاعت ہر مقامِ تثلیث میں نہیں کی اور اُن متعدد عیسائی فرقوں کو ردّ نہیں کر دیا جو کاہی کی طرح مدینہ اور یروشلم کے درمیان پیدا ہو گئے تھے۔ کیا یہودی ایک نبی کا انکار کر کے حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ضرورت کو نہیں سمجھتے؟ کیا اسلام نے مداہنت پسند ہندوستان کو ایک جوشِ عمل پیدا کرنے والی ثقافت عطا نہیں کی۔ ایک ایسی ثقافت جو صنم پرستی کی دلدل میں ایک سچّے موتی کی طرح جگمگا رہی ہے؟ کیا مذہب تاریکی میں ایک روشنی کی کرن کی طرح معلوم نہیں ہوتا؟ ایک ایسے شفّاف پانی کی طرح جس میں تھکے ماندے جسم کو آرام مل سکتا ہے۔ تپتے ہوئے صحرا میں ایک آبِ خنک کے چشمہ کی طرح !!

ابتدائے آفرینش سے انسان کے رجحان کا مطالعہ کیا گیا ہے اور مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے:

۱- انسان کسی اعلیٰ و افضل طاقت کے سامنے اپنے آپ کو کمزور و حقیر محسوس کرنیکی طرف مائل ہے ٭

۲- انسان کسی ایسے مذہب پر ایمان لانے کے لئے تیار ہے جو اُسے پچاس فیصدی طمانیتِ قلب دے۔ یعنی خواہ کسی مذہب میں نصف صداقت ہے لیکن اگر اخلاقی طور پر انسان اُس سے مسرور ہے تو وہ اُس پر ایمان لے آئیگا ٭

۳- انسان ایک ایسے خالق و مالک کا دھیان کرنے کے لئے تیار ہے جو غیر محدود ہو لیکن حیرت انگیز طور پر اُس سے قریب ہو۔ دوسرے الفاظ میں انسان کو محسوس ہو کہ وہ اپنے رب سے قریب ہے اور کسی دن وہ اُس میں قطعی مدغم ہو جائیگا ٭

انسان چاہتا ہے کہ اُسے کچھ ملے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اُس کو کس شئے کی ضرورت ہے قرآن شریف میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک دوسری تشریح اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ انسان اپنی شخصیت میں اس قدر حقیر ہے کہ وہ خود بخود ایک خالقِ کُل کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی اطاعت گذاری کرتا ہے وہ اپنے خالق کی طرف زیادہ سُرعت کے ساتھ کھینچ لیا جاتا ہے ٭

المختصر۔ یہ ہے خلاصہ اُس مذہبی عقیدہ کا جو اسلام میں پایا جاتا ہے۔ خدا کے بغیر زندگی کا کوئی مفہوم نہیں اور مذہب بے سود ہے ٭

خواہشِ مذہب

انسان کو اپنی رُوح کے لئے مذہب کی اُسی طرح ضرورت ہے جس طرح اپنے جسم کیلئے خوراک کی ہے۔ اگر آپ کسی فیشن پسند لندن کے حصہ میں جائیں تو آپ تھیا سوفیوں اور عیسائیوں کے گرجوں کو ایسی متعدد پُرجوش عورتوں سے مملو دیکھیں گے جن کو کچھ اور کام نہیں ہے اس لئے وہ اخلاقیات کے کسی شعبہ پر عمل درآمد کر رہی ہیں کیونکہ ایسا کرنا اُن کی تشنہ رُوح کی آواز ہے۔ رُوح تو ایک ننھے سے پرندے کی طرح ہے جو گھونسلے سے علیحدہ ہو کر عمل کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اِدھر اُدھر پھڑپھڑاتا ہے اور اپنے آبائی گھونسلے کے قریب پہنچنے کی سعی میں لگا رہتا ہے ٭

یا بچّوں کی مثال لے لو۔ وہ مکھّن بھری میٹھی روٹیاں پسند کرتے ہیں۔ اور اُن کی دلی خواہش

ہوتی ہے کہ اُن کا چچا اُن کو باہر گھومنے کے لئے لے جائے تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جی بھر کر وہ چیزیں خریدیں اور کھائیں جو اُن کے ماں باپ اُن کو گھر پر دینے سے انکار کرتے تھے۔ لیکن جس طرح ماں یا چچا کو بھی ہمیشہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن کے بچّوں کے لئے کیا چیز مفید ہے۔ اِسی طرح وہ روح بھی جو کسی شئے کی متلاشی رہتی ہے بعض اوقات غلط چیز سے مطمئن ہو جاتی ہے جتنی روح پاک ہو گی اُتنا ہی مذاق اعلیٰ ہو گا۔ اور اسلام نے سکھایا ہے کہ جتنی رُوح خالص ہوتی ہے اُتنی ہی وہ اپنے آپ کو مسرور محسوس کرے گی اور اُتنے ہی انسان آپس میں متحد ہوں گے ۔

اسلام کا دعویٰ ہے کہ مذہب اور روحانی سچّائیاں تبدیل نہیں ہوتیں۔ بڑی بڑی خبیث رُوحیں روحانیت کے سبب پاک ہو جاتی ہیں۔ اور جس طرح ایک انگریز کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مکھّن بھری میٹھی روٹیاں اس کے بچّوں کے لئے مفید نہیں ہیں اور وہ اُن کو دودھ اور ڈبل روٹی کھلاتا ہے۔ اِسی طرح تشنۂ حق رُوح بھی اعلیٰ خوراک کی متلاشی رہتی ہے حتیٰ کہ اُس کو ایک ایسا ابدی مقام مِل جاتا ہے جہاں اُس کے جسم وقلب کو اطمینانِ کامل نصیب ہوتا ہے ۔

اسلام سکھاتا ہے کہ رُوح کا پہلا قدم خداشناسی ہے یعنی خدا کو حُسن وخوبی کا مکمّل پیکر تسلیم کر لیا جائے۔ اور اُس کے بعد پھر سفر ہے جو اگرچہ لمبا ہے لیکن نہایت دل خوش کُن۔ اِسی لئے مسلمان اپنے مذہبی فرائض کو مسرّت تصوّر کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر کام مسرّت بخش ہے ۔

نفی کو ثابت کرنے سے مشکل اِس دُنیا میں کوئی مسئلہ نہیں اور خصوصاً ایسی نفی جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے بارہ میں ہو۔ اگر انسان سوچے کہ اُس کا آنا اور جانا۔ اُس کی قبض وبسط اُس کی نیکی و بدی اُس کی غمی وشادی ہنسی و آنسو سب جذبات کا پلندہ ہیں تو اُس کو معلوم ہو گا کہ زندگی اور اُس کا مفہوم سب بے فائدہ ہے۔ اور صرف مذہب ہی ہے جو ”مقصدِ زندگی“ کا صحیح معنوں میں علم ہے۔ یہ زندگی کی قیمت کا علم ہے اور کسی ملک کے زر کی نوعیت معلوم کئے بغیر مطالبات ادا کرنا یا شرح مبادلہ معلوم کئے بغیر اپنے سکّہ کو کسی دوسرے ملک کے سکّہ میں تبدیل کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم اخلاقی ارتقاء کی طرف مائل ہیں لیکن جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ ہم کس طرح اور کیوں مائل ہیں اور ”اخلاقی ترقی“ کے کیا معنی ہیں تب تک ہماری زندگی بے فائدہ ہے۔ مذہب ہمارے اخلاقی جسم کا خون ہے۔ یہ وہ فضا ہے جس کے آر پار ہم ”غیر محدود“ اور

"ناقابل پہنچ" کو دیکھ سکتے ہیں ⁂

معتقدات میں یگانگت

اسلام اپنے معتقدات میں یکرنگ اور اپنی تعلیمات میں مساوات کا علمبردار ہے۔ اور صرف یہی مذہب ہے۔ جس کو ایسا کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ ایسا کرنے کی جرأت کرتا ہے بلکہ اُسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ اُس کو خدا تعالیٰ کی تقدیس میسّر ہے اور تمام انبیاءؑ کا چغہ اُس کے پاس ہے۔ کوئی مصلح ابھی تک اِس دُنیا میں مبعوث نہیں ہُوا جس کی اسلام سے مختلف پیش کردہ تعلیمات کامیاب ہو سکی ہوں بلکہ اُن کا حشر ایک بے آب و گیاہ جنگل میں ایک غیر معروف قبر ہُوا کرتا ہے ⁂

اگر مذہب کے معنی خدا تعالیٰ کے لئے دیوانہ بننا ہے تو پھر مذہب نہایت ضروری چیز ہے اور مذہبی انسان ایک طاقتور شہنشاہ کی طرح ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی محبّت کے سوا کوئی چیز ہمارے لئے اِتنی مسرّت انگیز نہیں بن سکتی ⁂

اسلام نے غیر تعلیم یافتہ انسان کے لئے بھی حقائق بیان فرمائے ہیں اور زندگی کا مفہوم تمام انسانوں کے سامنے کھول کر بیان کر دیا ہے وہ انسانوں کو بسترِ مرگ پر "اقرارِ گناہ" کیلئے تیار نہیں کرتا بلکہ ایک ایسی مستقبل دُنیا کے لئے تیار کرتا ہے جس میں صرف صلح اور متقی لوگ داخل ہو سکیں گے ⁂

دُنیا کے تمام ملکوں میں چلے جاؤ۔ تم انسانوں کو مختلف طریق پر رہتے ہوئے دیکھو گے کسی کا مذہب "پیسہ" ہو گا تو کسی کا "عورت"۔ کسی کا "حیوان"۔ اور کسی کا "پھول"، کسی کا "قدرت" اور کسی کا "صنعت"، کسی کا "موسیقی" اور کسی کا "سائنس"۔ کوئی جعلسازی کر رہا ہو گا اور کوئی منافقت۔ لیکن اُن میں وہ موافقت نہیں پائی جاتی جو خدا تعالیٰ کے پرستاروں یا مسلمانوں میں پائی جاتی ہے ⁂

صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو عالمگیر یگانگت اور بین الاقوامی اتحاد پیدا کرتا ہے یہ ارباب صناعت یا شہزادوں یا گداگروں کا سا احمقانہ اتحاد پیدا نہیں کرنا چاہتا جس کے حصول کے لئے کامل دس برس اور آٹھ کروڑ الفاظ کی ضرورت ہو بلکہ یہ اتحاد یہ اخوّت صرف السّلام علیکم یا صرف لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ پڑھ کر بروئے کار

لائی جا سکتی ہے ؛

ایک ہندو کے پاس جاؤ اور اُس سے پوچھو کہ تم اپنے اُس مذہب کے ذریعہ سے دُنیا کے لئے کیا کر سکتے ہو جو تمھیں سمندر پار بھی جانے سے روکتا ہے ؛

ایک عیسائی کے پاس جاؤ اور اُس سے پوچھو کہ کیا تم دُنیا کے خرخشوں کو ایک اخلاقی نقطہ کے ذریعہ سے مٹا سکتے ہو؟ اور یوروپ کے علاقہ جات کو ایک اتحاد کی لڑی میں پرو سکتے ہو؟

ایک یہودی کے پاس جاؤ۔ ایک تھیا سوفی کے پاس جاؤ۔ ایک بودھی کے پاس جاؤ۔ ایک لامہ کے پاس جاؤ۔ ایک افریقہ کے قبیلہ کے پاس جاؤ کیا اُن کے پاس کوئی جواب ہے؟ کیا اُن کے پاس کوئی عملی تجویز ہے؟

مذہب یقیناً ضروری ہے بشرطیکہ وہ اسلام ہو۔ ورنہ اُس کو ترک کرو اور اُس سے اُس شیطانی ٹکڑہ کی طرح احتراز کرو جو ضمیر اور ناقابلِ دید اشیاء کے درمیان سودا کر رہا ہے ؛

معتقدات کی یگانگت صرف اسلام میں ہے پس اسلام ہی ایک سچّا مذہب ہے، اور اعلیٰ ترین منطقیانہ علم ہے ؛

مذہب کی ہمہ گیریّت

اگرچہ معتقدات میں یکرنگی اور تعلیمات میں یگانگت سچّے مذہب کی منطقیانہ دلیل ہے لیکن اِس سے یہ مراد نہیں کہ یگانگت اور مساوات نہایت واضح اور بدیہی ہوگی ؛

مثلاً جاپان کا مسلمان اپنے عرب بھائی سے تمام عوائد مذہبیہ اور اشغالِ روحانیہ میں مماثلت قائم نہیں کر سکتا کیونکہ جہاں نسلی اور موسمی اختلافات بھی ہیں وہاں ایک ہی حقیقت کے متعلق کچھ اختلافِ رائے بھی ہوتا ہے ؛

اِس اختلافِ رائے کا علاج صرف یہ ہے کہ ثقافت (کلچر) اور شادیوں کے ذریعہ سے اِسقدر میل ملاپ ہو کہ ہم جسمانی طور پر ایک معیاری آدمی پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکیں جب آدمی معیاری ہوگا تو اُس کی ذہنیت بھی معیاری اور یکساں ہوگی ؛

اگر آپ کا خیال ہو کہ ایسا کرنا سخت محال ہے تو آپ قرآن اور بائیبل کی عملی تعلیمات پر خطِّ تنسیخ کھینچ دیجئے کیونکہ اُن کا کوئی فائدہ نہیں ؛

مذہب کا اُس وقت تک کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا جب تک زبان۔ نسل اور ثقافت کا

اختلاف قائم رہے اور انسانوں کو ایک دوسرے کے خلاف آمادہ بہ جنگ کرتا رہے ؞

"مذہب کی ضرورت" کا خیال میں صرف اس شرط پر پیش کرتا ہوں کہ مذہبی زندگی اور عرفان یکرنگ اور یکساں رہیں۔ ایک مذہبی انسان سرکنڈوں میں زندہ نہیں رہ سکتا یعنی ایسی جگہ جو اختلاف کا مجموعہ ہو قرآن شریف نے صاف طور پر کہا ہے کہ انبیاء اُن اقوام میں بھیجے گئے جو مذہبی ارتقاء میں پیچھے رہ گئے اور جن کو ہمعصر مذہبی خیالات کے برابر اترنے کی ضرورت تھی۔ بہترین مذہبی ماحول میں رہنے کے لئے انسان کو ایسی دُنیا میں رہنا ہوگا جہاں انسان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار نہیں ہوتے۔ اور جہاں دولت کی محبت کی بجائے خدا تعالیٰ کی محبت مروّج ہے وعلیٰ ہذا القیاس اِس لحاظ سے قوم قومیت اور بین الاقوامیّت کے خیال ہی بے معنی ہونگے کیونکہ مذہب کی دنیا میں لوگ اپنے عرفان اور معرفت کی بناء پر آپس میں متحد ہونگے ؞

جب یہ حالات پیدا ہو جائیں گے تو مذہب ایک منفرد علم بن جائے گا۔ اور ایک ادنیٰ مادّی خیالات کی دُنیا سے اُٹھ کر وہ روحانی اور اعلیٰ و افضل خیالات کی دُنیا میں آجائیگا۔ ہم مذہبی زندگی کو صرف عالمگیر اتحاد کے ذریعہ سے مجتمع کر سکتے ہیں ؞

ہماری رُوحانی احتیاجات

جس طرح ہمارے قویٰ بڑھتے اور متغیّر ہوتے ہیں اِسی طرح ہماری روحانی زندگی بھی مکمّل ہونی چاہیئے لیکن جس طرح اب ہم میں وہ جسمانی طاقت نہیں رہی جو ہمارے آباؤ اجداد میں تھی اِسی طرح ہماری روحانی زندگی بھی ایک محدود جسم میں آگئی ہے۔ جس طرح جسمانی زندگی کی تکمیل کے لئے ہمارے پاس ذرائع نقل و حرکت۔ ذرائع رسل و رسائل۔ اور ذرائع اصلاح خوراک وغیرہ ہیں۔ اِسی طرح ہماری روحانی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کے انبیائؑ کی ضرورت ہے اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم اپنی مادّی زندگی کی کمی پوری کرنے کے لئے خود وسائل تجویز کرتے ہیں لیکن روحانی کمی پوری کرنے کے لئے ہمیں کسی خارجی طاقت کی ضرورت ہے ؞

آزادیٔ ضمیر اور منظّم مذہب

ایک چیز مستقل ہے اور جیسا کہ کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے وہ آزادیٔ ضمیر کے لئے

کوشش ہے۔ سرسری طور پر نظر ڈالنے سے شاید معلوم ہو کہ آزادیٔ ضمیر اور ایک تعمیری مذہب یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ آزادیٔ ضمیر کے تو مکفّر بھی حامی ہیں اور مصلح بھی۔ پھر قوانین کی متابعت سے تو انسان کی وجدانی کیفیّات فنا ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ سچ ہوتا اگر وہ اصول جس پر انسان کی ضمیر مبنی ہے یکساں اور یکرنگ نہ ہوتے۔ اگر دو مذہبی انسان ایک معاملہ پر اختلاف رکھتے ہیں تو اُس کی وجہ ایسے محرّکات ہیں جن کا مذہب سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ خالص رُوحانی اشغال۔ خالص اخلاقی نظائر کیا ہندوؤں کے درمیان اور کیا بحر جنوبی کے غیر تعلیمیافتہ انسانوں کے درمیان اور کیا امریکہ کے پریسبٹرینوں کے درمیان سب یکساں ہیں درحقیقت روحانیت انسان کے اندر ہے خواہ وہ کہیں رہے۔

اب سوچئے کہ یہ خیال کہ تمام انسان روحانیت کے لحاظ سے برابر اور مساوی ہیں۔ بین الاقوامی اتحاد کے لئے کسقدر مفید ہے۔ لیکن یکسانیت ضمیر کے اِس خیال کی حمایت کرنا آسان نہیں۔ قریباً دُو ہزار برس قبل مسیحؑ کی تہذیب کے علمبردار ہندوستان اور چین میں ایسے آثار ظاہر ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پرا چین میں بُت پرستی مروّج تھی اور مذہبی اور معاشرتی خیالات کا فقدان تھا۔ اب وہ ضمیر کی یکسانیت کہاں گئی؟ کیا گوتم بُدھ اِس کے علمبردار تھے یا رِگ وید اور اپنشدوں میں اِس کا ذکر ہے؟ اِن "فلسفیانہ" کتابوں میں جو مسیحؑ سے قبل مترتب کی گئی ہیں۔ آپ کو معاشرتی قوانین کے دوش بدوش جن میں اخلاقی ارتقاء کا شائبہ نہیں خدا کے خلاف بھی عقائد ملیں گے۔

کیا کنفوشش معاشری مصلح کے علاوہ بھی کچھ تھا؟ کیا اُس کے قوانین میں کسی ایسی روحانی خوراک کی کمی نہ تھی جو چینیوں کو شرک سے مجتنب رکھتی؟ اِسی طرح کیا امریکی انڈین کی "رُوح" سے مراد کیا واقعی خدا تعالیٰ ہے؟

کیا متذکرہ بالا تمام حالات میں تمہاری آزادیٔ ضمیر خرید* لی گئی ہے یا کیا خدا تعالیٰ کا بول بالا رہا ہے۔

میرے خیال میں مادیات نے کئی جنگیں جیتی ہیں!! لیکن اِن سب باتوں کے باوجود ہمیں حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ حضرت محمد رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے مذہب کی اہمیت اور اُس کی ضرورت کا پتہ لگتا ہے۔ اِن سب عظیم الشان شخصیتوں نے۔ اِن ہمارے بھائیوں نے۔ اِن ہمارے گوشت پوست اور

خون نے جو ہر طرح سے ہماری ہی طرح تھے ایک مذہبی زندگی گذاری ہے یعنی ایک ایسی مثالی زندگی جس کے مطابق سب لوگ اپنی زندگیاں ڈھال سکتے ہیں ؛

ان سب نے کہا اگر تم خدا کو چھوڑو گے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ دُنیا کی تمام مذہبی صحائف کا مطالعہ کرو تمھیں معلوم ہوگا کہ وہ سب گمراہ کن ہیں کیونکہ اِن کی باتیں غیر معقولیت بلکہ حماقت پر مبنی تھیں۔ لیکن اُدھر دین داروں کے جہیز کی طرف دیکھو۔ قرآن کہتا ہے کہ تم اُن کھلونوں کو چھوڑ دو جو تمھیں لہو و لعب کی طرف مائل کرتے ہیں۔ کوئی چیز سچّائی سے زیادہ قیمتی نہیں اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ لوگ بسا اوقات اعلیٰ و افضل خیالات کے تعاقب کی بجائے دُنیاوی مال و متاع کا پیچھا کرتے ہیں !!

مذہب کا ایک دوسرا رُخ

اب ہم مذہب کے ایک دوسرے رُخ کی طرف نظر کرتے ہیں ؛

ہمیں اپنے دل میں سوچنا چاہیئے کہ اگر کوئی مذہبی یا روحانی ترغیب موجود نہیں ہے تو زندگی کا مقصد اولیٰ کیا ہے ؟ آدمی ہر روز صبح اپنے دفتر کو کیوں جاتے ہیں ؟ وہ زراندوزی کی طرف کیوں مائل ہیں ؟ اُن کو اپنے جسم کو کمزور کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ کیا زندگی کا اُن کے نزدیک کوئی مفہوم ہے ؟ کیا ہم درختوں کی طرح جن کے بیج زمین پر گِر پڑتے ہیں اور پھر اُگتے ہیں اپنے بچّے پیدا کر رہے ہیں ؟ کیا یہ ارتقاء اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ ہم سب مِٹ جائیں گے یا کوئی غیر متوقع عذاب ہم پر آجائے گا ؟

اگر انسان اپنی زندگی کا اپنی دُنیا کا۔ اپنی موجودگی کا حَل تجویز نہیں کرتے تو اُن کو زندہ رہنے کا کیا حق ہے ؟

ہم اپنے بچّوں سے پیار کیوں کرتے ہیں ؟ ہم اُن کو کیمیاوی مرکّب کیوں تسلیم نہیں کر لیتے جو آئندہ چند سالوں میں تحلیل ہو کر ناپید ہو جائیں گے ؛

ہماری زندگیوں کا اصل حل ہمارے جذبات کا ردِّ عمل ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے اور اس سوال کا جواب کہ کیا ہمیں مذہب کی ضرورت ہے صرف یہ رہ جاتا ہے کہ مذہب موجود ہے خواہ ہم اُسے اپنے اندر پیدا کریں یا نہ کریں !

اِس مسئلہ پر بغیر بحث کئے کہ مخلوق کوئی چیز ہے یا نہیں یا ہم کیا اور کہاں ہیں کم از کم

ہمیں اتنا علم ہے کہ ہمارے سامنے دو مسائل ہیں۔ ایک ہمارا اپنا جسم جو محدود ہے اور مختلف حوادثات کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا ہماری رُوح جو جسم کے علاوہ سب باتوں پر مشتمل ہے۔ جہاں حدبندی۔ انتشار اور طبعی خواص وغیرہ ہمارے جسم کے اندر موجود ہیں۔ وہاں ہماری روح اِن قوانین سے آزاد ہے ؛

اب یہ فرض کر لینا نہایت قرینِ دانشمندی ہے کہ چونکہ ہمارے جسم کے لئے بعض قوانین ہیں۔ اس لئے ہماری روح کے لئے بھی بعض قوانین ہونے چاہئیں۔ صرف یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ ڈاکٹر کے ذریعہ سے ہم اپنے جسم کی تکالیف کا اندازہ کر سکتے ہیں اپنی لمبائی ماپ سکتے ہیں حفظانِ صحت کے متعلق مشورہ لے سکتے ہیں۔ کھانے اور پینے کے موثرات کے متعلق اُس سے دریافت کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہماری روح ایک ایسی چیز ہے جس کو استقرار نہیں۔ اِس لئے اُس کے بارہ میں ہم ایسا نہیں کر سکتے ؛

اسلام کا دعویٰ ہے کہ اُس نے انسان کو بہترین زندگی کے تلاش کرنے میں مدد دی ہے کیونکہ اُس نے اُسے وہ صراطِ مستقیم بتایا ہے جس پر وہ اپنا جہازِ زندگی کھیت سکتا ہے۔ قرآن چونکہ الہامی ہے اِس لئے اُس میں اُن تمام سوالوں کے جواب ہیں جو انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور جن سے وہ از حد درجہ مطمئن ہو سکتا ہے ؛

اسلام نے "ضرورتِ مذہب" کو پورا کر دیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے صرف یہی مذہب ہے ؛

مذہب کے متعلّق مغرب کا رویّہ

دوسری طرف یوروپ میں ہزاروں لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں جو "ضرورتِ مذہب" پر جھگڑتے ہیں۔ آپ ایک سڑک کوٹنے والے سے پوچھئے۔ ایک گاڑی چلانے والے سے دریافت کیجئے۔ ایک باغبان کو ہی پوچھئے کہ کیا اُن کو مذہب کی ضرورت ہے۔ وہ جھٹ کہدیں گے "نہیں ہمیں ضرورت نہیں"

لیکن مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ اس کے سوا اور کچھ جواب ہی نہیں دے سکتے۔ کیونکہ جس مذہب کے متعلق اُن کو کچھ واقفیت ہے اُسی کی دُنیا کو ضرورت نہیں۔ عیسائیت نے ناگوار اثرات چھوڑے ہیں۔ انسان سمجھتے ہیں کہ چونکہ ایک دستانہ اُن کو پورا نہیں آتا اس لئے کوئی بھی دستانہ موجود

نہیں ہے۔ جب ایک مذہب ناکام رہتا ہے تو انسان سمجھنے ہیں کہ شاید سب ہی ناکام رہیں گے ٭

پس سوال یہ نہیں ہے کہ کسی انسان کو اپنے قول کے مطابق مذہب کی ضرورت ہے یا نہیں بلکہ یہ ہے کہ فی الحقیقت اُس کو اِس کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور اِس کی مثال اسی طرح ہے کہ آپ کسٹر آئیل دیتے وقت مریض سے اُس کی مرضی نہیں پوچھا کرتے ٭

اسلام کی سب سے بڑی حریف عیسائیت ہے اُن میں حدّ درجہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک مذہبی خیالات کو معاشری۔ سیاسی اور غیر مصافی خیالات سے جُدا رکھنا چاہیئے۔ گویا اُن کے نزدیک حضرت مسیحؑ نے دُنیا کا کچھ دیکھا ہی نہیں!!

عیسائیت جدید کی تنگ نظری سے ایک بات ثابت ہوتی ہے۔ آجکل کا مذہب سے تنفّر اور مادیت کی کشش کا باعث حضرت مسیحؑ نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کا نام پھیلاتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ مذہب کے علاوہ بھی دوسری چیزیں ضروری ہیں ٭

عیسائیوں کو سوچنا چاہیئے کہ اُن کے آدم نما خدا نے اپنی بھیڑوں کی آیندہ حالت کو پیش بینی سے نہ دیکھا۔ آجکل راہب خانے اور گرجے اور پوپوں کے گھر سیاست کا میدانِ عمل بن گئے ہیں!!

آہ۔ مذہب نے یوروپین تاریخ میں بہت اہم حصّہ لیا ہے۔ یومِ پادری بارتھالیمیو صلیبی جنگیں۔ قتلِ عام وغیرہ یہ سب ثابت کرتے ہیں کہ یوروپ کی تاریخ کا ۹/۱۰ حصّہ مذہب کے نام پر سیاہی میں غرق ہے!

اور اب کیا عیسائیت ضروری خیال کی جاتی ہے؟ اِس کو تو رائل کورٹ آف جسٹس میں سے بھی نکالدیا گیا ہے۔ اب آپ کے لئے بائیبل کے نام پر قسم کھانا ضروری نہیں۔ عیسائیت کو ویسٹ منسٹر پیلس سے بھی بے دخل کر دیا گیا ہے اور اس کو وضع قوانین۔ سول سروس اور لیبر پارٹی وغیرہ میں بھی ضروری خیال نہیں کیا جاتا۔ درآں حالانکہ یہی ادارے ہیں جن میں مذہب کی اشد ضرورت ہے اور اگر یہاں مذہب کو مروج کیا جائے تو ایک ہی برس میں ذہنی انقلاب اور بیداری پیدا ہو سکتی ہے ٭

عیسائیت کا آغاز یسوع مسیح کی تعلیمات نہیں ہیں بلکہ تاریخی واقعات ہیں۔ اور مسیحیوں نے اِنہی واقعات کو مذہب بنا لیا ہے ٭

الغرض عیسائیت اب انحطاط پذیر ہے اور سوائے متبعین اسلام کے کوئی فرقہ ترقی نہیں کر رہا۔ ہندو مت اپنے ملک میں محدود ہے اور ہندوستان کی حدود کے باہر کہیں موجود نہیں۔

بُدھ مت - لامہ ازم - کنفوشنزم - لاؤزیزم - اور پارسی ازم ایسے جملہ مذاہب زمانہ۔ عقل اور سچائی کے سیلاب کے آگے بے دست و پا ہو رہے ہیں ؀

مسلمانوں کا تنزّل

اگرچہ اسلام ترقی پذیر ہے لیکن اِس کے درمیان بھی بعض ایسے موثرات ہیں جو اپنی نوعیت میں خوشگوار نہیں۔ ترکیہ۔ ہند چینی ہندوستان اور مصر میں جو آزاد خیالی کی نئی تحریک چلی ہے اُس نے اصل اسلام کی ترقی کو مسدود کر دیا ہے۔ نماز کے متعلق جو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا بیمہ تھا مختلف بہانے کر لئے گئے ہیں۔ اور عربی کو ترک کر دیا گیا ہے۔ حج کی اہمیّت کم دی گئی ہے۔ لیکن سوائے اسلام کے دُنیا میں کوئی مذہب نہیں جو اپنی حالت پر آسکتا ہو اور میری اور آپ کی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ ہم وہی زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں جو حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بسر کیا کرتے تھے اور روحانیت کے مخالف لوگوں کی قطعاً پروا نہ کریں ؀

پھر اسلام میں ایک "صوفیانہ" جُزو شامل ہو گیا ہے جو خطرناک ہے۔ "صوفیت" مذہب کے ٹھوس عقائد سے پیدا ہوئی ہے۔ مَیں "صوفیت" کو مذہب کی پیچیدگیوں کا مبالغہ آمیز پہلو کہونگا۔ عام مذہبی عقائد سے اوپر اور ماوراء جانے کی خواہش اور خدا کی روح میں مدغم ہو جانا چند شخصوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔ درآں حالیکہ یہ سفر ہر روح کو اختیار کرنا پڑتا ہے صوفیوں نے سیدھی سادھی بات کو پیچیدہ بنا لیا ہے۔ خدا کے خیال میں مکمل استغراق ایک سادھوؤں کی کُٹیا میں بند ہونے سے نہیں ہو سکتا اور نہ جاہل مُریدوں کے سامنے لایعنی اور بے معنی فقرات دُہرانے سے ہو سکتا ہے جو حقیقت میں بڑے صوفی ہوتے ہیں وہ ہماری ہی طرح اِدھر اُدھر پھرتے چلتے اور باتیں کرتے ہیں اور ہماری ہی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ البتہ وہ عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتے اور نہ شروع میں اُن کی عزّت ہوتی ہے ؀

اِس نام نہاد "صوفیت" نے اسلام کو بہت نقصان پُہنچایا ہے ؀

اِسلام کا قابلِ عمل ہونا

مذہب کی اہمیت اِس سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن بار بار مسلمانوں کی فتوحات کا ذکر کرتا ہے۔ پھر قرآن صاف بتاتا ہے کہ فلاں فلاں عقیدہ کیوں ضروری ہے۔ قرآن یہ بھی بتاتا ہے

کہ مذہب دُنیاوی امور سے الگ کوئی خاص مجموعۂ اصول نہیں بلکہ یہ تو خود دُنیا ہے۔ حکومت کے انتظام و انصرام میں۔ بین الاقوامی لائحہ عمل میں۔ باورچی خانے میں۔ سڑک پر۔ بازار میں غرض ہر جگہ اسلام کی ہی فضا غالب ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی عقلمند آدمی کسی اوّلین زمانہ کے نیچری کو یہ بتائے کہ کوئی خدا ہر صبح سورج کو آسمان پر رات کی جھیل کی طرف لڑھکا دیتا ہے تو اُس سے اُس کی کیا تسلّی ہوگی کیا وہ اوّلین زمانہ کا نیچری زیادہ پُر اخلاق بن جائے گا۔ اگر وہ عقلمند کوئی فی الحقیقت عقل والی بات کہے مَیں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ قرآن میں بھی موجود ہوگی۔ قرآن میں وہ تمام باتیں ہیں جو کسی شخص کو پُر اخلاق بنا سکتی ہیں اور مذہب کی ضرورت صرف مسلمان ہی سمجھ سکتا ہے ٭

وہ تمام بہترین پہلو جو کسی مذہبی زندگی میں پائے جاتے ہیں اسلام میں موجود ہیں وحشی لوگ بھی جن کا قدرت کے ساتھ تعلق ہے اور آخرت سے بے خبر ہیں اسلام کے ذریعہ اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں اور وہ چینی کسان بھی جن کے دیہہ اور مال و اسباب پانی کے سیلاب میں بہ جاتے ہیں بجائے خدائے مطر کو ماننے کے اسلام سے مطمئن ہو سکتا ہے ٭

اِسلام کی وسعت

جس بات پر مَیں زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمام وہ مذہبی پہلو جن کا محور خدائے بزرگ و برتر ہے یعنی عیسائیت۔ یہودیت۔ امریکن انڈین مذہب۔ یہ سب اسلام کے حلقہ آغوش میں آجاتے ہیں۔ خدا چونکہ طبیعاتی دُنیا میں ایک طاقت ہے اس لئے اُس نے منگولیا اور شمالی امریکہ کے باشندوں کو بھی اپنی طرف مبذول کیا۔ اِن لوگوں نے دوسری باتوں کو فراموش کر کے خدا کے نظریہ میں تخصیص کر لی۔ پھر یہودیوں نے صرف خدا کے عدل و انصاف کی خوبیوں پر زور دینا شروع کیا۔ اب یہی خوبیاں جن پر یہودیت نے زور دیا ہے اسلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اِسی طرح عیسائیت نے محبت پر زور دیا اور دوسری خوبیوں کو بھُلا دیا ٭

پس ظاہر ہے کہ اسلام نے اُن باتوں پر زور دیا ہے جن کو دوسرے مذاہب فراموش کر چکے تھے جن کا انہوں نے ذکر ہی نہ کیا تھا یا جن کو انہوں نے فروغ ہی نہ دیا تھا ٭

پھر مذہب اُن لوگوں میں بھی ہے جن کے اندر خدا کا نام تک نہیں۔ لیکن کیا انہوں نے ترقی کی ہے؟ کیا اُن کی زندگیاں زیادہ شاندار بنی ہیں؟ کیا یہ کہنا مکتفی ہے کہ ہمارے پاس خوراک کافی

ہے یا مویشی کافی ہیں یا بچے کافی ہیں؟ کیا زندگی کا مقصد یہاں ختم ہو جاتا ہے؟ نہیں بلکہ جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ زندگی کا مقصد خدا پر پختہ ایمان اور اُس کی مرضی کے تابع ہو جانے میں مضمر ہے۔ ایک انسان جس کے پاس مذہب نہیں اُس شخص کی طرح ہے جس کے پاس لائبریری ہو لیکن وہ نہ خود کتابیں پڑھے اور نہ کسی کو مستعار دے، بلکہ صرف دکھاوے کے لئے رکھے ؞

مذہب کی نفسیاتی ضرورت

بلکہ مَیں کہوں گا کہ مذہب اِس لئے ضروری ہے کہ اِس کے بغیر چارہ نہیں۔ جب تک ہم خود محدود ہیں اور ہماری عقل ایک نقطہ سے آگے چل کر کام نہیں کرتی اُسوقت تک ہمیں اپنے دماغ کی روحانی کاوشوں سے اُس کمی کو پورا کرنا ہوگا۔ مذہب ہمیں وہ تمام ذرائع مہیّا کرتا ہے جن سے ہم اپنی نامکمّل باتیں مکمّل کر سکتے ہیں۔ مذہب ہر چیز پر ایک حُجّت ہے۔ یہ وہ طریقہ کار ہے جو ہمیں یقین کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر ہم خدا پر یقین نہ کریں تو ہم قدرت کے رحم پر ہونگے۔ ہماری زندگی میں ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن کو مذہب کے ذریعہ سے طبیعات کے ذریعہ سے یا استعارات کے ذریعہ سے سلجھانا ضروری ہے۔ لیکن ہر سائنس کے حقائق مفروضات پر مبنی ہوتے ہیں جو مذہبی معتقدات سے یعنی اُن معتقدات سے جو ہمارے اندرون کا بہترین آئینہ دار ہیں کہیں زیادہ متزلزل اور غیر مستقل ہوتے ہیں ؞

پس مَیں سمجھتا ہوں کہ انسان مذہب کے بغیر گذارا نہیں کر سکتا۔ عدمِ مذہب کی وجہ سے ضمیر کو جو تکلیف ہوتی ہے اُس کو ہر کوئی محسوس کرتا ہے۔ کیا آدمی اپنے آپ کو کمرہ میں بند نہیں کر لیتے اور سوچنے لگتے کہ اُن کو زندگی میں بہت خسارہ ہُوا؟ کیا بسترِ مرگ پر انسان ایک دو آنسو بطور افسوس اور توبہ کے نہیں گراتے؟ کیا شقی القلب انسان بھی اُس وقت نرم دِل نہیں ہو جاتا جب اُس کے بچّے اُس کے گھٹنوں پر چڑھ کر اُس سے کھیلنا چاہتے ہیں؟

یہ ایک رُوح ہے جو اُن کے اوپر گاہ بگاہ رقّت طاری کر دیتی ہے اور انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ اِس مادّی دُنیا سے ماوراء بھی کوئی لطیف اور زیادہ اہم چیز ہے۔ اُن چیزوں میں سے جو ہم اپنے ساتھ دوسری دُنیا میں لے جائیں گے ہمارے کام کونسی چیز آ سکتی ہے؟ وہ یقیناً بے وقوف ہوگا جو آخرت کی سفر کو توبۃ النصوح کے پروانۂ رہداری روحانی طمانیت کے سکّوں اور دوسری دُنیا کی زبان کی تعلیم کے بغیر عبور کرنا چاہتا ہے!!

مذہب کے اصل معنی پاک ضمیر کے پیدا کرنے کے ہیں۔ اور یہی ایک ذریعہ ہے نئی اور اعلیٰ دُنیا کے پیدا کرنے کا۔ جب انسان نئی عمارت بناتا ہے یا مستقبل کی طرف دیکھتا ہے تو اُس کے لئے گذشتہ روایات یا تاریخ پارینہ پر نظر ڈالنا مہلک ہوتا ہے۔ دُنیا کی گذشتہ تاریخ مذہب کے مصلح کو مایوس کر دیتی ہے۔ ایسے حالات میں مذہب صرف نام کا رہ جاتا ہے اور اُس میں انسان کو کوئی خوشی میسّر نہیں ہوتی۔ قرآن کہتا ہے کہ تم ایک مسلمان کو اُس کی پیشانی پر سجدوں کی وجہ سے پڑے ہوئے نشانوں کے ذریعہ سے پہچان سکتے ہو۔ اِس کے یہی معنی ہیں کہ مذہبی انسان تعلّق باللہ اور تعلّق بالنّاس اور نیکی اور تقویٰ کے ذریعہ سے پہچانا جاسکتا ہے ؛

اِسلام کا چیلنج

اِسلام کا دعویٰ آج بھی باوجود امتداد زمانہ کے قائم ہے۔ اگر اُس کی فتوحات اُتنی شاندار معلوم نہیں ہوتیں جتنی کہ پہلے زمانہ میں تھیں۔ تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اُس کا مقابلہ کسی دیگر مذہب سے نہیں کرتے۔ عیسائیت اگر وہ کچھ پیش کرتی ہے تو اسلام سے بہتر پیش نہیں کرتی۔ اگر اسلام کو مسترد کر دیا جائے تو اُس کی جگہ کسی اور کو نہیں رکھا جاسکتا۔ اگر اسلام آج قابلِ قبول نہیں تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی اصل تعلیمات بوجہ فروعی مناقشات کے پس پردہ چلی گئی ہیں جب بھی انبیائے خالص اور اخلاقی ضمیر کے لئے ایک مصالحہ بہم پہنچاتے ہیں تو اُن کے متبعین میں ایک یکرنگی پیدا ہو جاتی ہے بشرطیکہ موخرالذکر اُس کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔ نظریہ خلافت بھی اِس یکرنگی کے پیدا کرنے کا ایک ذریعہ تھا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ایک برگزیدہ جانشین پیدا ہو۔ لیکن موجودہ خیالات نے قرآنی تعلیم کو صرف ایک فروعی بحث کا ذریعہ بنالیا ہے جس کے نتیجہ میں اصل معانی فوت ہو چکے ہیں ؛

نمائشی فلسفہ کے خطرات

سب سے تحیّر خیز غلطی اِسلامی فلسفہ کی تاریخ میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور جو مفہوم اب اُس کا بنالیا گیا ہے وہ اسلام کی رُوح کے ہی قطعی خلاف ہے۔ اور یہ عجیب عجیب نظائر عام لوگوں میں اِس لئے قابلِ قبول ہو گئے ہیں کیونکہ وہ نہایت خوبصورت اور مبالغہ آمیز پیرایہ میں رقم کئے گئے تھے ؛

صوفیوں نے اِس قدر مبالغہ کیا کہ وہ کہنے لگے کہ ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے جب نمازوں کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ قرآن کا مان لینا نمازوں سے افضل ہے ؛

ظاہر ہے کہ صوفیت کا یہ مفہوم رسول اکرم صلعم کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے اور اگر ہم اُن کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اُن کی تعلیمات کی نوعیت پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ لٹریچر قطعی طور پر غیر اسلامی ہے جس طرح ہائی ماس غیر مسیحی ہے ؛

آج سے قبل مذہب کی اہمیّت کا اِس قدر کبھی احساس نہیں ہُوا

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمیں یہی بتانے آئے تھے کہ مذہب کی ضرورت صحیح اسلام سے پوری ہوسکتی ہے۔ اور موجودہ امام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ دِن رات اِسی کشتیٔ اِسلام کو کھیتے میں مصروف رہتے ہیں۔ اور اُنہوں نے اپنی علمی و عملی کاوشوں سے ثابت کر دکھایا ہے کہ ایک زندگی جو اعلائے کلمۃ الحق اور اپنے بھائی کو قعرِ مذلّت سے بچانے کے لئے صَرف کی جائے نہ صِرف ایک بہترین زندگی ہے بلکہ خدا تعالےٰ کی عنبریں برکات سے اُس کی تقدیس کی گئی ہے ؛ (ریویو انگریزی) ترجمۂ عبدالرحیم شبلی

اِسلامی غزوات میں فریقین کی تعداد

نام جنگ	ناکام کافروں کی تعداد	فتحمند ایمانداروں کی تعداد	نام جنگ	ناکام کافروں کی تعداد	فتحمند ایمانداروں کی تعداد
جنگ بدر سنہ ۳ھ	ایک ہزار (قریش)	۳۱۳	جنگ قادسیہ سنہ ۱۴ھ	ایک لاکھ (ایرانی)	۳۶ ہزار
" احد "	۳ ہزار (")	۷۰۰	" فتح نحل "	۵۰ ہزار (رومی عیسائی)	۲۱ ہزار
" خندق سنہ ۵ھ	۱۰ ہزار (یہود و مشرکین)	۳ ہزار	" یرموک سنہ ۱۵ھ	۲ لاکھ ۴۰ ہزار (")	۴۰ ہزار
" فتح خیبر سنہ ۷ھ	۳۰ ہزار (یہود)	۱۴ سو	" فتح قیساریہ سنہ ۱۹ھ	۸۰ ہزار (عیسائی)	۴۰ ہزار

مسیحی کلیسا کا بانی مبانی

سینٹ پال کوئی معمولی ہستی نہیں۔ جن لوگوں کو عیسوی لٹریچر میں کوئی دلچسپی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ پولوس باقی رسولوں سے نہایت ممتاز رہا ہے۔ یہ اُسی کی حکمتِ عملی تھی کہ عیسائیت یہودیوں کی بے پناہ بلغار سے محفوظ رہی۔ اور یہ اُسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ عیسائیت اور عیسائیت کا لٹریچر اشاعت پذیر ہُوا۔ جو رہتی دُنیا تک غیر فانی رہیگا۔ اگرچہ ہماری دُعا ہے۔ کہ جس گمراہی میں اُس نے اپنے پیروکاروں کو ڈال دیا وہ خدا تعالےٰ دُور فرمائے اور اُن کو اسلام کی ہدایت نصیب ہو ؛

جہاں تک مَیں نے خطوط پولوس کا مطالعہ کیا ہے اُس کی زندگی دُو حصّوں میں منقسم ہوسکتی ہے :۔

(۱) ابتدائی زندگی۔ وہ یہودی پیدا ہُوا تھا اور اُس کی تربیت تارسس میں ہوئی ؛

(۲) تعلیم۔ اُس نے اپنے اُستاد گملیل سے یہودی لٹریچر کا مطالعہ کیا۔

اِس کے علاوہ خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس پر Hellinic لٹریچر کا بھی اثر ہُوا۔ اور وہ رومی باشندہ بھی رہا ہے۔ جس سے ہم فرض کر سکتے ہیں کہ وہ رومی سیاسیات اور مذہبی خیالات سے بھی واقف تھا ؛

اگر یہ تین موثرات ذہن میں رکھے جائیں تو بپتسمہ کے بعد اُس کے لائحہ عمل کی پیچیدگی کا سمجھنا ہمارے لئے مشکل نہ ہوگا ؛

بپتسمہ کے متعلق یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ عیسائیت کا ایک بدترین دشمن رہ کر اُس کا نہایت مخلص مشنری بن گیا ؛

اِس تبدیلی کی کئی وجوہات پیش کی جاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ لیکن جب وہ اُسے ملنے گیا تو اُسے معلوم ہُوا کہ وہ پہلے ہی حاملہ ہے۔ چنانچہ وہ یہودی مذہب سے متنفّر ہوگیا۔ اور نیا مذہب قبول کر لیا ؛

یہ نظریہ اگرچہ عالم فاضل مشنریوں نے بھی پیش کیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔

مجھے تسلیم ہے کہ خطوط میں ایک لڑکی کا ذکر ہے۔ لیکن اُس میں اِس اندوہناک خاتمہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ میرے خیال میں اُس کی تبدیلی کا بہترین حل یہ ہے کہ وہ یہودی مذہب کو ناقابلِ عمل متصوّر کرتا تھا اور وہ اُس کے خلاف جنگ آزمائی کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دمشق کے راستہ میں اُسے ایک رؤیا ہوا۔ جس میں یسوع مسیح نے اپنا جلوہ دکھایا اور پولوس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے پولوس اے پولوس تو کیوں مجھے ستاتا ہے" (اعمال ۹/۲۲)

اِس خواب نے سینٹ پال کی ساری زندگی کو بیک لمحہ تبدیل کر دیا۔ لیکن قبل اِس کے کہ ہم اِس کے اثرات کو دیکھیں ہم کچھ ضمنی طور پر عرض کرنا چاہتے ہیں:۔

اِس بات پر بہت بحث کی گئی ہے۔ کہ آیا خواب بیرونی تھی یا اندرونی۔ میرے خیال میں وہ اندرونی تھی۔ کیونکہ خواب کے متعلق جو دو بیانات دیئے گئے ہیں وہ آپس میں متضاد ہیں۔ ایک بیان یہ ہے کہ اُس نے روشنی دیکھی۔ لیکن آواز نہیں سُنی۔ اور دوسرے بیان کے مطابق اُس نے آواز سُنی۔ لیکن روشنی نہیں دیکھی (اعمال ۲۲-۶-۷ اور ۹-۷)

اِن متضاد بیانوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سینٹ پال کو اندرونی طور پر رؤیا ہوا نہ کہ بیرونی طور پر۔

لیکن خواب خواہ اندرونی تھی یا بیرونی اِس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے پولوس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم واقع کر دیا۔ اُس کے مشاغل بالکل بدل گئے۔ جہاں پہلے وہ موسوی شریعت پر ایمان لانے کو موجب نجات سمجھتا تھا وہاں اب اُس کا ایمان تھا کہ مصلوب مسیح کے خون نے اُس کے گناہ دھو دیئے ہیں اور جنّت کا راستہ مسیح کے پیروکاروں کے لئے صاف کر دیا ہے۔

انہی خیالات کی وجہ سے وہ مجبور ہُوا کہ یسوع مسیح کو عام انسانوں سے بلند و بالا قرار دے اور اُسے خدا کا بیٹا بنائے۔ بعد میں یہ خیالات تثلیث اور کفّارہ کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ لیکن ابھی یہ تعلیمات ابتدائی صورت میں تھیں کہ وہ عرب کی کسی غار میں راہب بنکر چلا گیا۔ (گلتیوں باب ۱۔ آیت ۱۵-۲۰)

وہاں وہ تین برس تک رہا۔ جہاں اُسے مسیح کا کوئی حواری اُس کی رہنمائی کے لئے نہ ملا۔ اس لئے اُس کی ریاضت محض ذاتی تھی۔ اور وہی تین موثرات اُس پر کام کر رہے تھے۔ ایک طرف تو یونانی فلسفہ اُس کے سامنے تھا جس میں خدا اور کلمۃ اللہ کی ہم آہنگی مخلوق کی ابتداء اور ایک اعلےٰ ہستی کی پرستش شامل تھی اور دوسری طرف رومیوں

کی سورج کی پرستش اُس کے دماغ میں تھی اور تیسری طرف یہودی ثقافت اُس کے ذہن میں مرتسم رہی۔ تین برس کے بعد اگر اُس نے اپنی تعلیم پھیلانی شروع کی اور ظاہر ہے کہ وہ یسوع مسیح کی تعلیمات پر مبنی نہیں کہی جا سکتی بلکہ اُس کے اپنے دماغ کی اختراع ہو سکتی ہے ÷

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے کیا تعلیم دی۔ اور وہ کس حد تک یسوع مسیح کی تعلیمات سے مختلف ہے ÷

سب سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے شریعت کا جُوا سر سے اُتار کر پھینک دیا اور صرف ابن اللہ پر ایمان رکھنا مکتفی سمجھا ÷

درآں حالیکہ مسیح نے خود کہا تھا کہ شریعت کا کوئی حکم بھی ترک نہ کیا جائے۔ اور وہ انبیاء کی تکذیب کرنے نہیں آیا بلکہ اُن کی تصدیق کرنے آیا ہے۔ (متی ۵: ۱۷)

سینٹ پال نے اِس حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور شریعت کو ایک لعنت اور انسانی نجات کے لئے غیر ضروری قرار دیا ÷

یہ اس لئے کہ اُس نے محسوس کیا کہ شریعت کے احکام سخت ہیں اور وہ رومیوں اور یونانیوں کے نزدیک قابلِ عمل نہیں ہونگے۔ پس اُن کی ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے اُس نے قرار دیا کہ شریعت غیر ضروری ہے اور صرف ابن اللہ پر ایمان باعثِ نجات ہوگا یہ خیال چونکہ تمام رومی مذاہب کی تعلیمات کے عین مطابق تھا اس لئے وہ نئے مذہب پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو گئے ÷

اِسی طرح اُس نے ختنہ کے حکم پر زیادہ زور نہیں دیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ غیر بنی اسرائیل لوگ اُسے قبول نہ کریں گے ÷

اِسی طرح اُس نے یسوع مسیح کی خدائے واحد کے متعلق تعلیم کے خلاف تثلیث کا مسئلہ تجویز کیا یہ اُس نے یونانیوں کو خوش کرنے کے لئے کیا۔ کیونکہ یونانی مفکرین کا خیال تھا کہ خدا ہمیشہ دُنیا سے پرے رہتا ہے اور صرف کلمۃ اللہ یا روح القدس ایک شکل اختیار کر کے لوگوں کو نجات دلاتی ہے۔ سینٹ پال نے اس خیال کو ایک عملی شکل دی اور کہا کہ مسیح چونکہ مصلوب ہو گیا ہے اس لئے وہ کلمۃ اللہ تھا اور لہٰذا وہ نجات دہندہ ہے ÷

یہ بھی مسیح کی تعلیمات سے انحراف تھا۔ کیونکہ اگر مسیح کی غرضِ بعثت ہی یہ تھی کہ وہ لوگوں کے گناہوں کے لئے مصلوب ہو تو وہ قید ہونے پر ساری رات یہ دُعا نہ کرتا کہ یہ

پیالہ اُس سے ٹل جائے (متی باب ۲۶ آیت ۳۷ - ۳۹)

اسی طرح یسوع مسیح نے کہیں ایسے الفاظ نہیں کہے جن سے مترشح ہو کہ وہ خدا کا بیٹا تھا (ایسا بیٹا کہ جس میں دوسرے انبیائے شریک نہیں ہو سکتے) بلکہ اُس نے اپنے متبعین کو ہدایت کی کہ بہترین حکم یہ ہے کہ تم اپنے ایک خدا کی بدل و جان عبادت کرو ٭

برخلاف اِس کے سینٹ پال نے تثلیث کا اصول پیش کیا اور یہ محض اس لئے کہ ایسے خیالات روم اور یونان میں اُس وقت پائے جاتے تھے ٭

ایک اور صریح اختلاف مسیح کی تعلیمات سے یہ ہے کہ اُس نے حکم دیا تھا کہ اُس کی دوسری بعثت کے وقت اُس کی تعلیم صرف اسرائیلی قوم میں پھیلائی جائے (متی باب ۱۰ آیت ۲۳) لیکن سینٹ پال نے اس کے صریح خلاف کیا اور تمام عمر رومیوں اور یونانیوں میں تبلیغ کرتا رہا ٭

اِن باتوں کے پیش نظر ہم صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ موجودہ عیسائی کلیسا کا بانی مبانی سینٹ پال تھا نہ کہ یسوع مسیح ٭ (ترجمہ)

عبد الرحیم شبلی

تمباکو کے خواص

اطباء نے تمباکو کے افعال و خواص بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تمباکو کا استعمال دل و دماغ کے لئے مضر ہے اس سے سر چکراتا ہے۔ دل دھڑکتا ہے۔ حواس خراب ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات اُس کے معمولی استعمال سے ہی اکثر دماغی امراض مثلاً درد سر۔ سر چکرانا۔ ضعف حافظہ۔ سکتہ۔ مراق۔ فالج۔ بے خوابی۔ دیوانگی۔ ضعفِ بصارت۔ نابینائی۔ آواز کا بیٹھ جانا۔ حلق کا خراب ہونا۔ کھانسی۔ سِل۔ کمزوری دل۔ ضعفِ باہ۔ نامردی وغیرہ وغیرہ امراض ہو جاتے ہیں ٭

معمولی طور پر تمباکو کا عرق نکالنے سے سیکوٹین جوہر جو ایک سم قاتل ہے تھوڑی مقدار میں پایا جاتا ہے اور اس میں ایک قسم کا روغن بھی ہوتا ہے۔ جس تنبکولے تیں کہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک قطرہ خصوصاً سکوٹین کا ایک معمولی کتے کو ہلاک کر سکتا ہے۔ اگر تمباکو کا عرق تیز حرارت پر کشید کیا جائے تو ایک اور قسم کا بودار روغن حاصل ہوتا ہے۔ جس کا رنگ بھورا ہوتا ہے اور جس سے تمباکو کی بو آتی ہے۔ اس روغن کے بھی ایک یا دو قطروں سے بلی کتے ہلاک ہو جاتے ہیں ٭ تمباکو کے استعمال سے خون رقیق اور کم ہو جاتا ہے۔ جس سے دماغ کی ضروری پرورش نہ ہونے سے وہ کمزور ہو جاتا ہے ٭

قندِ پارس

نالۂ درد

باز بسمل از رہِ فرزانگی — رفت یاراں بر سرِ دیوانگی
تازہ کردہ باز از صہبا وضو — ورد سازد آیۂ لا تقنطوا
ساتگیں بر دست و مینا در بغل — بر زباں حیّ علی خیر العمل
گوش کردہ بانگ نے از مولوی — وجد دارد بر سماعِ مثنوی
پیر کودک دل کہ بسمل نام اوست — آنچہ جامی خوردہ اندر جام اوست
مرد افگن رطل مے دارد بکف — بیدل[۵۱] کش دل میدہد ہاں لاتخف
تا خط بغداد[۵۲] خوردہ جامِ مے — پیر جیلانی[۵۳] شدہ ساقی وے
دارو بیہوشیش عطار[۵۴] داد — مستیش تا نشۂ سرشار داد
دادہ جامش شیخ جام[۵۵] زندہ پیل — خویش را دانستہ از جامی بدیل
اوحدیش[۵۶] جام جم آورد پیش — دیدہ[۵۷] در وے عکس روئے یار خویش
ساغرے بگرفتہ از سید[۵۸] کلال — عربدہ سر کردہ با ملا جلال
صد چو شبلی مست در میخانہ اش — روح منصور است در پیمانہ اش
دہ چہ گویم از خرد بیگانہ شد — مست شد بد مست شد دیوانہ شد
بایزیدش آنچناں بردہ ز راہ — دم زند از لیس فی دلقی سواہ
گفتہ در مستی چو شیخ بوالحسن — یا اسیل الخد یا رطب البدن
حرف از دیوان حافظ میزند — فال بر ایمان واعظ میزند
عشق را بر جان خود پیچیدہ است — کس چہ داند تا چہ خوابے دیدہ است

۵۱ میرزا عبدالقادر بیدل معاصر شاہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ کہ شاعر صوفی مشرب بود۔
۵۲ خط بغداد یکے از خطوط جام جمشید ۔ غنیمت گوید ؎
بادہ ساقی بدہ تا خط بغداد بہ شرابے روح پرور جان ارشاد
۵۳ پیر جیلانی ۔ شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۔ مدفون بغداد
۵۴ عطار شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ
۵۵ شیخ جام شیخ الاسلام شیخ احمدؒ جام زندہ پیل لقب جد مولانا عبدالرحمٰن جامی خواجہ حافظ نسبت شاں اشارہ کردہ است ؎ حافظ مرید جام جم است اے صبا برو ۔ وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را مولوی جامی فخریہ می نویسد ؎ مولدم جام و رشحہ قلمم ۔ جرعۂ جام شیخ الاسلامی است ۔ زاں بسبب در جریدہ اشعار ۔ بدو معنی تخلصم جامی است ۔
۵۶ شیخ اوحدالدین کرمانی مصنف جام جم رحمۃ اللہ علیہ و ایں شعر از دست ؎ سر پیوند ما مجازی نیست ۔ عشقبازی است ہرزہ تازی نیست
۵۷ حافظ گوید ؎ ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم + ۵۸ میراں سید کلال رحمۃ اللہ علیہ کہ خواجہ بہاء الدین نقشبند خلیفہ اوست ۔

عاشقی بر خویشتن بند دہے
من نمیدانم چہ دستاں[۵۱] کردہ است

تار و پود عاشقی با فدہے
کشتئ مے راندہ در بحر رمل

اشتہر بد مست را راندہے
رفتہ در بادہ مستی از جامہ بروں

مستی و دیوانگی دارد بہم
توبہ از دیوانگی ہر دم کند

مشنوید اے دوستاں افسانہ اش
ہیچو جادو حرف او دارد اثر

آتشے از دود دل افروخت است
در غلامی میرزائی نام یافت

نقشبندی بود و نقشش خوش نشست
کفر او بنگر کہ می بوسد زمیں

بر حرے استادہ می خواند درود
میر فیصل را نداند میر خود

گرچہ می قصد بر آہنگ حجاز
رو بسوے مکہ دل در یثرب است

قبلہ کردہ سمت شمس نشائین
در حریم کعبہ می ساید جبیں

میزند صد بوسہ بر رکن حطیم
ہیچ کافر را چو او ایں طور نیست

بو العجب شوخے کہ میخواند صریح
زندہ داند مر نبیؐ پاک را

ساغرے بر یاد مالک نوش کرد

یک جہاں بر کار او خندد ہے
خویش را ہمرنگ مستاں کردہ است

بر بروت در ریش خود لافدہے
بر جہد مستانہ در رقص الجمل

چوں شتر باناں حُدے خواندہے
خلق تا داند کہ میدارد جنوں

راست گوید گو چساں با در کنم
توبہ از مستی ہمانا کم کند

پیر دہقان گفتہ چوں دیوانہ اش
مستمع از خانہ می افتد بدر

رخت عقل و ہوش خود سوخت است
بندگیش خواجگی انعام یافت

تا برنگ احمدیت نقش بست
بر مزار امہات المومنیں

گرچہ می رنجد ازاں ابن سعود
شیخ نجدی را نخواند پیر خود

در پس شیخ حرم نکند نماز
طرف دل دارد کہ طرفش غالب است

با امام کعبہ بازد کعبتین
سودہ پا بر درے چو فخر مرسلیں

یادگارے ہست زاں دست کریم
طور پیشش بہ ز غار ثور نیست

فاتحہ بر مرقد عیسےٰ مسیحؑ
شمس عرفاں مالک لولاک را

حاجت عیسےٰ چوں از و در گوش کرد

۵۱. دستاں مکر و فریب

بر وفات عیسوی بر بط سر است
دم ز موت ابن مریم میزنند
متحد گردیده با ابن حزمؒ
قد خلت چوں آیت قرآں گو است
ابن عباسؓ ابن عم مصطفےٰؐ
ہم بخاری گوہر اسرار سفت
او کہ تاویلات کاشی دیدہ است
درس تا از ابن اعرابیؒ گرفت
راز قرآں یافتہ در قادیان
قاضی بیضا از و رنجیدہ است
کار با عیسےٰ پرستاں نیستش
اعتقاد شاں است بر قول گشیش
خندہ بر کوچک گشیشاں میزند
بر وفات مرتضےٰؓ پور ش حسنؓ
ہمدریں شب روح عیسےٰؑ بر فلک
رو بخواں فرقان رب العالمین
ہست آخر در کجا بنما بمن
گر مسیحا ہست بر چرخ بریں
پس چہ نازی اے مسلماں زیں سخن
اے مسلماں شرم کن زیں گفتگو
گر مسیحا بر سر افلاک رفت
پیش نقاداں چو نقدت کاسد است
بر محمد گر شرف دارد مسیح

با کمال الدینؒ کاشی ہمنو است
گرچہ ملا دست برہم میزند
اعتقاد خویش را کردہ علم
پس حیات حضرت عیسےٰؑ کجاست
گفت معنیٔ توفّی موت را
معنیٔ لفظ توفّی موت گفت
روئے خود از کاشفیؒ پیچیدہ است
باغ طبعش رنگ شادابی گرفت
فخر رازی را ندا ند راز دان
اعتقادش بسکہ کم سنجیدہ است
گفتگو با ہرزہ مستاں نیستش
نشۂ شاں ہست از برگ حشیش
دست رو بر جامہ ریشاں میزند
خطبۂ بر خواند پیش انجمن
پیش حق رفت است با فوج ملک
ہم احادیث امام المرسلینؐ
رفعہ اللّٰہ بالجسد او بالبدن
مصطفےٰؐ در ہست در زیر زمیں
بر نصاریٰ اے درمیان انجمن
پیش نصرانی چہ ریزی آبرو
پس مسلمانی ہمہ در خاک رفت
ایں چہ آخر اعتقاد فاسد است
پس تو ترسائی نہ مسلم اے وقیح

۱؎ کمال الدین ابو الغنائم صاحب اصطلاحات صوفیہ و تفسیر تاویلات القرآن استاذ علامہ جلال الدین محقق دوانی علیہ الرحمۃ۔
۲؎ کاشفی ملا حسین کاشفی صاحب تفسیر حسینی۔
۳؎ ابن اعرابی شیخ محی الدین صاحب فتوحات مکیہ علیہ الرحمۃ۔
۴؎ گرانقل از ابن سعد فی طبقاتہ۔

گر فضیلت میدہی بر مصطفیٰؐ | در دل خود ہر کسے را ز انبیاءؑ
بیگماں در بارگاہِ کبریا | شر مساری می بری روزِ جزا
معجزاتِ انبیائے اصفیا | ہیچ باقی نیست در دار الفنا
از جہاں تختِ سلیماں باد بُرد | ہم عصائے شاہئی او کرم خورد
وقت مرگ آمد دم عیسیٰؑ فسُرد | مُرد عیسیٰؑ معجزاتش نیز مُرد
برد با خود پورِ عمراں آں عصا | گہ عصا می گشت و گاہے اژدہا
نوحؑ را کشتی سرِ جودی شکست | احمدؐ آمد کشتیش را تختہ بست
زندہ فرقان است و زندہ مصطفیٰؐ | از عنایاتِ جنابِ کبریا
ذاتِ خورشیدِ ازل در دے نہاں | او نہاں در جوہرِ پیغمبراں
مصطفیٰؐ آئینۂ ذاتِ خدا | انبیاء مرآتِ ذاتِ مصطفیٰؐ
گر دو آئینہ نہی جان پدر | ایں یکے در پیش و آں در پشت سر
عکسہا در عکسہائے بیکراں | آیدت اندر نظر در ہر دو آں
ماضی و مستقبل اے مرد جواں | ہر دو مرآت رسول اللہ بداں
در دو عیسیٰؑ ہست ذاتِ مصطفیٰؐ | ہر دو بہر مصطفیٰؐ آئینہ ہا
در پس پشت آں و ایں در پیش رُو | ہر دو عیسیٰؑ ظل ذات پاک او
ظلِّ او عیسیٰؑ و ہم آدمؑ صفی | ظل او بوبکرؓ و ہم احمدؑ جری
گفت موسیٰؑ من مثیل احمدؐم | گفت احمدؐ منکہ خود احمدؑ شدم
مکہ بود آئینۂ نور ازل | خاست از وے یک شعاع بے بدل
پرتوش بر قادیاں افتادہ است | کز محمدؐ احمدؑ ما زادہ است
نورِ احمدؐ گشت در احمدؑ عیاں | رازِ دیں در پیش تو کردم بیاں
مصطفیٰؐ خورشید و احمدؑ ماہ اوست | مصطفیٰؐ مشک است و احمدؑ ہمچو پوست
مصطفیٰؐ موصوف و احمدؑ وصف است | ایں سخن داند کسے کو عارف است
احمدؑ از بہرِ محمدؐ لازم است | ہر محمدؐ بہر احمدؑ لازم است
ظل احمدؐ دید چوں در خود مسیحؑ | گفت با احباب با قول فصیح
در پس من احمدؐ و من بعد او | خواہم آمد در جہاں بے گفتگو

عارفاں چوں درّ معنی سفتہ اند	بیگمان العود احمدؐ گفتہ اند
بر ضمیر سالک خیر السبل	گشت واضح معنی ختم رسل
از عنایاتِ جناب ذو الجلال	ختم شد بر ذاتِ پاکش ہر کمال
خاتم پیغمبراں گفتش خدا	کرد در زیر نگینش انبیاءؑ
بعد موسےٰؑ یک گروہِ انبیاءؑ	پیروی کردند توراتِ ورا
پیروِ قرآن پاک از سوئے رب	ز انبیا ناید کسے یا للعجب
ایں چہ آخر اعتقادِ فاسد است	نقد تو بشنو سراسر کاسد است

از احقر العباد عبید اللہ بسمل احمدی دار الامان

المقتبسات والملتقطات

قدیم ہندوستان میں گائے

بمبئی کرانیکل کے کانگریس نمبر میں مسٹر ایم کے مدیارنی بی اے۔ ایل ایل بی دھرم ادھکاری ریاست بڑودہ کا مضمون "قدیم ہند میں گائے کی پرستش کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس کے ذیل کے اقتباس سے معلوم ہو گا کہ پہلے گائے کی ہندوستان میں کیا حیثیت تھی اور کس طرح یہ دیوتا بنی وہ لکھتے ہیں۔ کہ ہزاروں برس ہوئے ہندوستان کے آریہ دنیا کی دوسری قوموں کی طرح گوشت خوار تھے۔ اور یہ بات ویدوں اور سوتروں کے مطالعہ سے ہویدا ہے۔ منو اگرہیہ سوتر میں ہندوستانی تمدن کی ایک بہت قدیم حالت کا ذکر ہے۔ سوتر کے پہلے ہی حصہ میں برہمچاریوں کے لئے قواعد مرتب کئے گئے ہیں جن میں یہ بھی ہے۔ کہ برہمچاری گوشت یا شراب استعمال نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ان دنوں میں یعنی ایک ہزار برس قبل مسیح گوشت خواری بہر نوع ممنوع نہ تھی۔ بلکہ خاص خاص حالتوں میں (جیسے برہمچاری کیلئے) منع تھی مدھو پرکہ (مہمان کی تواضع) کی رسم میں گاؤ کشی ایک ضروری چیز ہے۔ مصنف نے کتابی حوالے دیئے ہیں۔ کہ مہمان کی تواضع بلا گوشت نہ ہو ؞

طبابت کی ایک پرانی کتاب نگھانتو کا مشہور مصنف مدن پال لکھتا ہے۔ کہ آٹا غلہ سے دودھ آٹے سے گوشت دودھ سے اور گھی گوشت سے آٹھ گنا زیادہ فائدہ رساں ہے۔ ان قدیم ایام میں گائے بیل کا گوشت کسی طرح مستثنےٰ نہ تھا۔ جیسے یجنا دلکیہ کی سمرتی کے اس اشلوک سے ظاہر ہے۔ کہ ایک شریف آدمی ایک عالم مہمان کو ایک بڑا بیل یا بڑی بکری بھینٹ دے۔ اس کے بعد یجنا دلکیہ لکھتا ہے۔ اگر کوئی دیوتاؤں یا مہمانوں کے احترام میں گوشت کھائے تو اس پر کوئی دوش نہیں ہے۔ بصورت دیگر وہ اتنے ہی سالوں کیلئے جتنے حیوان کی کھال پر بال ہیں نرک میں جاتا ہے۔ اور یہ کہ ایک برہمن جو گھر باری ہو۔ اگر

گوشت چھوڑ دے تو بمنزلہ جوگی یا سنیاسی کے ہے ۔

اس سے معلوم ہُوا کہ بیجنا دلکیہ کے زمانہ میں آریوں نے روزانہ گوشت خوری کی عادت ترک کر دی تھی۔ البتہ وہ اسے صرف پرستش اور مہمانوں کی تواضع کے موقع پر کھا لیا کرتے تھے۔ منُو کا زمانہ بیجنا دلکیہ سے کہیں بعد کا ہے جبکہ آریوں میں گوشت خوری سے بہت پرہیز جاری ہو گیا تھا۔ اور وہ سبزی کھانے کو نیکی سمجھنے لگے تھے ۔

اس موقعہ پر بھبوتی شاعر کے مشہور ناٹک اُتر رام چرتر کے چوتھے باب کے شروع کے نظارہ کا حوالہ دلچسپ ہے۔ اس میں دو جوگی وندایانہ اور سودھاتکی میں رشی وششٹ کے بالمیک کی جھونپڑی میں آنیکے وقت کی گفتگو درج ہے۔ جب وندایانہ نے اسے خبر کی کہ وششٹ مہاراج آ گئے ہیں۔ تو سودھاتکی کہتا ہے مجھے خیال ہُوا تھا۔ کہ وہ کوئی شیر یا بھیڑیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے آتے ہی غریب بھوری بچھیا کو ایک دم ہڑپ کر لیا ۔

وندائنہ۔ مدھوپرکہ (مہمان کی تواضع) گوشت کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ ویدوں میں یونہی لکھا ہے۔ میزبان اسی وجہ سے ایک جوان گائے یا بیل یا بکری ایک معزز عالم مہمان کو بھینٹ دیتے ہیں۔ مقدس کتابوں کے لکھنے والوں نے اسے پسند کیا ہے ۔

سودھاتکی۔ ارے تم پکڑے گئے۔ جب بزرگ رشی وششٹ آئے تو بچھیا کی ہتیا کر دی گئی۔ لیکن جب راجہ جنک آئے تو اسے دانا بالمیک نے مدھوپرکا میں دودھ اور شہد ہی دیا تھا اور جوان گائے یوں ہی چھوڑ دی گئی تھی ۔

وندائنہ۔ پرشودنے ان مہمانوں کی صورت میں جنہوں نے ماس کھانا نہیں چھوڑا اسی طریقہ کو مناسب سمجھا ہے۔ لیکن اس بڑے راجہ جنک نے تو ماس ہی چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت سے جبکہ انہوں نے اپنی بیٹی سیتا کا دردناک حشر (ان کے شوہر کا ان کو جنگل میں چھوڑ دینا) سُنا ہے۔ سنیاسی ہو گئے ہیں۔ اور ان کا اسی طرح چندر دیپ کے جنگل میں تپسیا میں چند سال گذارنے کا ارادہ ہے ۔

اس نظارہ سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ اعلیٰ طبقہ بہت کچھ سبزی کھانے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ بالمیک اور وششٹ کے زمانہ میں عوام زیادہ تر گوشت ہی کھاتے تھے۔ لیکن گوشت ترک کرنا اور سبزی کھانا نیکی سمجھا جانے لگا تھا۔ بعد کی سنسکرت کی کتابوں میں بیل کے لئے "اگھنیہ" اور گائے کے لئے "اگھنایہ" لفظ مستعمل ہونے لگا تھا۔ جس کے معنے "قتل کرنے کے لئے غیر مناسب" ہیں۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں دونو کی عزت جاگزین ہو گئی تھی ۔

جب آریہ ہندوستان کے شمال اور مشرق میں مختلف مقامات پر بس گئے تو کھیتی کیاری

میں مصروف ہو گئے۔ اس وجہ سے ان کو گائے بیل کی قدر ہوئی۔ چنانچہ کسی آدمی کی دولت گائے کی گنتی سے پہچانی جاتی تھی۔ مقدّس کتابوں میں گایوں کے حوالہ میں ان کا رائج الوقت سکّہ ہونا پایا جاتا ہے۔ جب کسی قسم کی قیمت یا نذر یا تاوان کا ذکر آتا ہے۔ تو اس کا گایوں کی تعداد کے ذریعہ ہی جتایا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ زمانہ حال کے روپوؤں یا اشرفیوں کی طرح ذریعہ تبادلہ تھی مثلاً جب برہمن بھینٹ چڑھاتے وقت گایوں کا جوڑا لے لے اور پروہت کو اپنی بیٹی بیاہ دے وہ چودہ[۱۴] پچھلی اور چھ آنے والی نسلوں کو پوتر کرتا ہے۔ یہ شادی کی رسم "اوشہ" کہلاتی ہے۔ ایسی ہی نظیر پرسکرہ گرہیہ سوتر میں ملتی ہے۔ کہ دولہا اور دلہن کے باپ کو سو گائیں دے۔ اسی طرح رودرا کلپا رودومہ میں حکم ہے۔ کہ برہمن کو چہاروورہ پوجاؤں کے کرانے کی دکھشہ میں گائیں دیجائیں۔ آج کل ہم دکھشہ[۱] میں کچھ دام دیدیتے ہیں۔ لیکن ان قدیم ایّام میں دکھشہ میں گائے سکّہ کا کام دیتی تھی۔ گائے دودھ اور بیل دیتی بیل زراعت اور بارکشی اور کشاورزی کے لئے بڑے کارآمد تھے۔ اور آریوں کی طرز زندگی کے لئے یہ دونو بڑی مفید چیزیں تھیں۔ اس طرح گائے سکّہ کے طور پر رائج ہو گئی۔ یجنا دلکیہ کفارہ کے باب میں لکھتا ہے۔ کہ جب کوئی کسی قسم کا پاپ کرے تو وہ عالم برہمنوں کی مجلس میں کفارہ ادا کرے اور مجلس کے ہر فرد کو گایوں کا ایک ایک جوڑہ دے ؎

اسی طرح مختلف ورنوں کے آدمیوں کے قتل کے لئے یہ سزا تھی۔ کہ چھتری کے قتل کے بدلہ میں ایک بیل اور ایک ہزار گائیں۔ ویش کے قتل کے جرم میں سَو گائیں۔ شودر کے قتل پر دس گائیں ڈنڈ میں دی جائیں ؎

گائے کی! اس کی پانچ چیزوں، پیشاب، گوبر، دودھ، دہی اور گھی کے لئے عزّت ہونے لگی۔ ان کے مرکّب کو پنچگویہ کہا گیا۔ اور ہر مذہبی رسم میں یہ پوِتر سمجھا جانے لگا۔ اس زمانہ میں بھی عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے۔ کہ گائے کا گوبر اور پیشاب جراثیم کش کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور باقی تین چیزیں دودھ، دہی، گھی صحت بخش غذا کے طور پر کھائی جاتی ہیں۔ کفارہ اور دیگر مذہبی رسوم کے موقع پر پانچوں کا مرکّب تمام گناہوں کو جلا دینے کے لئے پیا جاتا ہے اُس وقت یہ شلوک پڑھا جاتا ہے۔ کہ میرے جسم کی کھال اور ہڈیوں میں جو کچھ بھی پاپ ہے۔ پنچگویہ کے پینے سے اسی طرح جل جائے جس طرح آگ سے ایندھن جل جاتا ہے ؎

اس طرح گائے کا تخیّل آریوں میں ویدک زمانہ سے موجودہ زمانہ تک تغیّر پذیر ہوتا چلا گیا۔

جو مویشی ویدک زمانہ میں خوراک کیلئے مستعمل تھے۔ سمرتیوں کے زمانہ میں ان کی قدر کی جانے لگی۔ اور بعد میں تبادلہ سکّہ کے طور پر رائج ہو گئے۔ پُرانوں کے زمانہ میں ان کی پوجا ہونے لگی۔ مدھوپرک کو معزز مہمان کی ضیافت میں گائے بھینٹ چڑھانے کا طریقہ بدل گیا۔ اور اس کی جگہ گائے یا بیل چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ الابھتیہ (کاٹ ڈالو) کی جگہ اب کتابوں میں اُنستریجتیہ (چھوڑ دو) کا حکم آگیا۔ اس طرح گائے کی نسل ضائع کرنے کی جگہ اس کی حفاظت کا سوال پیدا ہو گیا ❊

بعد کے زمانہ میں پوجا کا خیال مستقل ہو گیا۔ اور پانچ روزانہ یگیوں میں یہ شامل ہو گیا۔ اہنک سوتر اوّل میں یہ حکم ملتا ہے۔ کہ مُنہ اور چہرہ دھونے کے بعد گائے سے یہ دُعا مانگو کہ گائیں میرے آگے ہوں۔ گائیں میرے پیچھے ہوں۔ گائیں میرے دل میں ہوں۔ مَیں گایوں کے درمیان میں ہی جیتا رہوں ❊

وشوا دیو رسم میں جو ہر آریہ کو ہر دیوتا کو بھینٹ دیتے وقت روزانہ کرنی چاہیئے گائے کی بھینٹ (گوگرا) ایک روزانہ چیز قرار دی گئی ہے۔ جس میں ذیل کا شلوک ہونا چاہیئے۔ کہ اے گائے تُو سب کی ماتا ہے۔ اور تُو ہمیشہ وشنو کے قدموں میں کھڑی رہتی ہے۔ دیا کر کے میری اس بھینٹ کو قبول کر لے ❊ (نور بحوالہ کانفرنس گزٹ)

اسلام کا اثر ہندوؤں پر

پنجاب کے مشہور صوفی منش فقیر گرو نانک جی کہتے ہیں ؎

"ایکو سمرئیے نانکا جو سب جگ رہا سمائے ❊ دوجا کاہے کو سمرئیے جو جنمے تے مر جائے" (گرنتھ صاحب)

نانک جی اپنے اس قول میں واضح طور پر بتاتے ہیں۔ جو پیدا ہوتا ہے اسے خدا مانکر یاد کرنا یعنی اس کی پرستش نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اسی واحد معبود کو ماننا چاہیئے جس کا جلوہ سارے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق کو خدا ماننا غلط ہے ❊

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎ "جو پتھر کو مانے دیو ❊ اس کی ورتھا جا دے سیو" (گرنتھ صاحب)

یعنی جو پتھر کے بُت کو قابل پرستش مانتا ہے اس کی عقیدت پرستش اور اطاعت وغیرہ سب رائگاں جاتی ہے ❊

ایک دوسرے مشہور سنت بابا کبیر صاحب ہوئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:۔ ؎

"ریکھ روپ جیہے سے نہیں ❊ اُدھر دھر و نہیں دیہہ ❊ گگن منڈل کے مدھ میں ❊ رہتا پرش بدیہہ" (بیجک کبیر ساکھی ۳۳)

یعنی اس پروردگار کی نہ کوئی شکل ہے نہ جسم ہے اور نہ ہی کسی عالم میں اُس نے کبھی کوئی جسم اختیار کیا بلکہ وہ غیر مجسم مالک محیط کل ہے۔

یہی کبیر صاحب ایک جگہ کہتے ہیں ؎

پتھر پوجے ہر ملے تو مَیں پوجوں پہاڑ ❊ پتھر سے چکی بھلی جو پیس کھائے سنسار

مذکورہ ساکھی میں بت پرستی کی کھلی ہوئی تردید موجود ہے ❊ دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

کبیرن بھگتی بگار یا کنکر پتھر دھوئے ❊ اندر میں وِش راکھ کے امرت ڈارے کھوئے۔

یعنی اے کبیر لوگوں نے عبادت کی اصلیت کو بگاڑ دیا وہ کنکر پتھر دھونے میں لگ گئے۔ اس پروردگار عالم کی عبادت کے امرت کو تو کھو دیا اور بتوں کی پرستش کے زہر کو اپنے اندر بھر رہے ہیں ❊

اس طرح کے خیالات ہندوستان میں آفتاب اسلام کی شعاعیں پھیلنے کے بعد پیدا ہوئے۔ اور اس تیزی کے ساتھ پیدا ہوئے کہ آخر خود ہندو قوم اور ہندو دھرم کے اندر کئی ایسے فرقے بن گئے۔ جو بت پرستی اور اوتاریت کے عقیدوں کو نہیں مانتے ❊ (اسلام کانپور)

اذا زلزلت الارض زلزالھا

ذیل میں توضیح کی غرض سے ان زلازل کی جو اوّل صدی عیسوی سے انیسویں صدی تک آئے۔ جان ملن ڈی ایس سی کی مرتب کردہ فہرست درج کی جاتی ہے۔ جو برٹش ایسوسی ایشن نے شائع کی ہے۔

صدی	تعداد زلازل	صدی	تعداد زلازل	صدی	تعداد زلازل	صدی	تعداد زلازل
۱	۱۵	۶	۱۳	۱۱	۵۴	۱۶	۲۵۳
۲	۱۱	۷	۱۷	۱۲	۸۴	۱۷	۳۷۸
۳	۱۸	۸	۳۵	۱۳	۱۱۵	۱۸	۶۴۰
۴	۱۴	۹	۵۹	۱۴	۱۳۷	۱۹	۲۱۱۹
۵	۱۵	۱۰	۲۲	۱۵	۱۷۴		

اس فہرست سے ظاہر ہے کہ ابتدائی صدیوں میں ایسے زلازل کی تعداد بہت کم تھی۔ جو کسی مالی یا جانی نقصان کا باعث ہوئے۔ لیکن بتدریج بعد کی صدیوں میں ایسے زلازل میں اضافہ ہوگیا جتی کہ اوّل صدی کے ۱۵ کے بالمقابل اٹھارھویں صدی میں ۶۴۰ زلازل آئے۔ لیکن انیسویں صدی میں جسکے آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مبعوث ہونا تھا۔ زلزلوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اس صدی میں ۲۱۱۹ زلزلے آئے۔ جو بالبداہت اس امر کی دلیل ہیں۔ کہ ان کی کثرت میں ایک راز پنہاں ہے۔

اٹلی ۱۸۹۱ئسے ۱۹۲۰ء تک ۹۵۴۴ ◦ جاپان ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۲ء تک ۸۵۳۱ ◦ برطانیہ ۱۸۸۹ء سے ۱۹۱۶ء تک ۳۶۶

ان اعداد سے بالصراحت واضح ہے۔ کہ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں زلازل کی کثرت کسی خاص امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ امر یہی ہے کہ اس زمانہ کے متعلق ایسے زلازل اور خطرناک تباہیوں کی آمد کی پیشگوئیاں ہیں۔ جو مسیح موعودؑ کے ظہور پر دال ہیں۔

زلازل سے نقصانات

۱۹۰۸ء میں میسینیا میں ایک زلزلہ آیا۔ جس میں ایک لاکھ نفوس یعنی اس علاقہ کی ۵۰ فیصدی آبادی تباہ ہوگئی۔ چین کے کانسو صوبہ میں ۱۹۲۰ء میں زلزلہ آیا۔ جس نے ایک لاکھ ۲۰ ہزار نفوس تباہ کر دیئے یکم ستمبر ۱۹۲۳ء کو جاپان میں ایک زلزلہ آیا جو کہ ایک لاکھ چھپن ہزار چھ سو ترانوے اشخاص کی ہلاکت کا باعث ہُوا۔ اس کے تین سال بعد ۱۹۲۶ء میں یوکوہاما اور ٹوکیو وغیرہ میں زلزلہ آیا۔ جس میں چونتیس لاکھ چار ہزار آٹھ سو اٹھانوے اشخاص تباہ ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں بلقان ایک خطرناک زلزلے

کا شکار ہوا۔ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء میں نیوزی لینڈ میں شدید زلزلے آئے اور ۱۹۳۴ء کے زلزلہ بہار اور ۱۹۳۵ء کے زلزلہ کوئٹہ کی داستانیں ابھی ہمارے لبوں پر ہی تھیں کہ حال میں امریکہ سے سان سالویڈر کے زلزلہ کی اطلاع موصول ہوئی ہے جس میں بہت شہر تباہ ہو گئے۔

مسٹر آرتھر ایس میکسویل انہی حالات سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں:۔

"نہ صرف اقوام سخت کرب کی حالت میں ہیں بلکہ خود زمین کسی شدید درد کی وجہ سے اعضاء شکنی کی تکلیف میں ہے۔ فی الواقعہ ساری مخلوق اس پُر شور ساعت میں مضطرب نظر آرہی ہے۔ گویا انسانی نسل غم و اندوہ کے بوجھ کے تلے کراہ رہی ہے"

"قدرت کی طرف سے ایک عجیب مصیبت نازل ہوتی چلی جاتی ہے۔ زلازل۔ پہاڑوں سے آتش باری۔ خطرناک امواج بحر۔ چکر دار ہوا اور جھکڑ سے ماضی قریب میں ہم اچھی طرح آشنا ہو چکے ہیں۔ قریباً ہر روز اخبارات کسی تازہ آفت کی اطلاع دیتے ہیں۔ جو خطرناک طور پر اتلاف نفوس کا باعث ہوتی ہے جیسے کہ سر آرتھر سالٹر نے کہا ہے۔ خطوط قسمت کے لامتناہی سلسلۂ صدمات و آفات کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایک آفت کے متعلق ابھی گفتگو ختم ہونے نہیں۔ کہ دوسری مصیبت آپڑتی ہے" (دس ماٹی آور ص ۱۴۱)

(الفضل)

انگلستان میں قانون طلاق کی اصلاح

انگلستان کی پارلیمنٹ میں طلاق کے قوانین میں مزید اصلاحات کرنے کے لئے جو بل پیش ہوا۔ اس کی انگلستان کے تمام طبقات یہاں تک کہ آقایان چرچ نے بھی تائید کی ہے یعنی انہوں نے بھی عیسائیت کی اس تعلیم کو کہ صرف زنا کی صورت میں طلاق جائز ہے۔ اپنے عمل سے غلط ثابت کر دیا۔ اور اسلام کے اصول شادی و طلاق کی فضیلت و برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ بل کے متعلق دوسری خواندگی کی تحریک کے موقعہ پر کئی ارکان نے اس کے متعلق بعض دلچسپ خیالات کا اظہار کیا۔

مسٹر ڈی لابیئر (Mr. De la Bere) نے کہا۔ کہ کنیٹربری کے اسقف اعظم اور لارڈ چیف جسٹس نے اظہار خیالات کرتے ہوئے اصلاح پر زور دیا ہے۔ اور کلیسا کی یونین نے بھی اس بل کی تائید و حمایت کا وعدہ کیا ہے۔ یہ امر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ کہ علیحدگی ترک علائق اور طویل مظالم۔ طلاق کی وجوہ میں داخل ہونے چاہئیں۔ لیکن انگلستان میں شادی

کے انفساخ کے لئے صرف زنا ہی کو وجہ جواز تسلیم کیا گیا ہے ...... بہت سے لوگ جن کے ازدواجی تعلقات اور کئی وجوہ سے کشیدہ ہو جاتے ہیں۔ طلاق حاصل کرنے کے لئے وہ زنا کے مرتکب ہونے یا کم از کم اس کے بناوٹی ارتکاب کے اظہار پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور اس صورت حالات کا جاری رہنا خود سلطنت کے مفاد کے منافی ہے ..... کاونٹری کے نائب بشپ نے حال میں اس بات کا اعلان کیا ہے۔ کہ اسباب طلاق کو ایک ہی وجہ تک محدود کرنے سے ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ جو اخلاق عامہ کے لئے زہر قاتل ہے۔ لوگ مجبور ہیں۔ کہ زنا کا ارتکاب کریں۔ یا دروغ گوئی سے کام لیں۔ اور موجودہ قانون خود اس قسم کی بداخلاقی کا متحرک ہے۔

سر الیف آگ لینڈ (Sir F. Acland) نے کہا کہ اس بل کی مخالفت زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو بہت راسخ العقیدہ سمجھتے ہیں۔ لیکن میں انہیں یاد دلاتا ہوں کہ رائل کمیشن نے پارلیمنٹ سے سفارش کی ہے۔ کہ وہ اس معاملہ میں ان تمام ملحوظات کے اعتنا سے جو حکومت۔ سوسائٹی۔ اخلاق۔ زوجین اور بچوں کے مفاد کے سوا ہیں۔ آزاد ہے۔ یہ کس قدر حیران کن بات ہے۔ کہ لوگ اخلاق کے متعلق بائیبل کے احکام کو نہ صرف خود قبول کریں۔ بلکہ حکومت پر بھی ان کے نفاذ کے لئے زور دیں۔ دراں حالیکہ رہزنی اور تشدد کے مقابلہ میں عدم مقاومت کے متعلق اسی طرح کے واضح احکام کے نفاذ کے لئے کوئی کوشش ہی نہ کی جائے۔

مسٹر تھرٹل (Mr. Thurtle) نے کہا۔ معاشرتی اصلاح کے ضمن میں یہ ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ انگلستان کے موجودہ قوانین شادی ازمنہ قدیم کی یادگار ہیں۔ اور ان کا انحصار عیسائیت کے احکام پر ہے۔ لوگ خواہ اس پر ناخوش ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ شادی کے متعلق عیسائیت کا قائم کردہ نظریہ اس نظریہ سے بالکل الگ ہے۔ جو موجودہ وقت کے شہریوں کی اکثریت کے ذہن میں ہے۔ زمانہ قدیم میں چرچ اور حکومت ایک تھے۔ مگر اب وہ کیفیت نہیں۔ ان کے دائرہ اثر و وظائف بالکل علیحدہ ہیں۔ اگر یہ بل قانون کی حیثیت اختیار بھی کرے۔ تو اس سے قانون شادی عمدہ ترین نمونہ نہیں بن جائیگا۔ تاہم اس سے بعض نہایت مکروہ بے انصافیاں اور قباحتیں دور ہو جائینگی۔ اور وہ ہزاروں عورتوں اور مردوں کے لئے خوشی و مسرت کا پیغام لانے والا ہو گا۔ اور اس کے ذریعہ بچوں کی ایک کثیر تعداد ایک ظالمانہ مذموم

اور قبیح صورت حالات کا شکار ہونے سے بچ جائے گی۔

انگلستان کے نمائندوں کے ان خیالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عیسائیت ایک جسد بے جان ہو چکی ہے۔ جسے عملاً ترک کرنے پر وہ لوگ بھی مجبور ہو رہے ہیں۔ جو فی الحال ابھی تک اس کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔

عیسائیت کی کتاب مقدس میں بیوی کو صرف ایک ہی وجہ سے طلاق دینے کی اجازت رکھی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"یہ بھی کہا گیا تھا۔ کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے۔ اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔" (متی باب ۵)

ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ شریعت موسوی میں طلاق کے متعلق جو حکم تھا۔ اُس میں عیسائیت نے تبدیلی کی ہے۔ لیکن یہ تبدیلی وبال جان بن چکی ہے۔ اور عملی طور پر بالکل اُڑا دینے کے لئے اب قانون بنایا جارہا ہے۔

افغانستان کے تاریخی حالات

معاصر اینس افغانستان میں ایک تاریخی مضمون کا ترجمہ شائع ہوا ہے یہ مضمون ع ج وزیر مختار افغانستان متعین بدار جاپان نے اخبار جاپان ٹائمز ٹوکیو میں درج کیا ہے۔ مضمون تاریخی اعتبار سے قابل قدر معلومات کا مخزن ہے۔ اس سے قدیم افغانستان کی عظمت وجلال کا پتہ چلتا ہے لہٰذا مندرجہ ذیل اقتباس ناظرین کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

قدیم زمانہ میں افغانستان کے زیر اقتدار بخارا، سمرقند، خوارزم، خراسان، سیستان، بلوچستان، پنجاب، سندھ اور کشمیر وغیرہ تھے، مسیحیت کے عالم وجود میں آنے سے پہلے افغانستان، باکٹریا، آریانا، آریا اور آرتا کے ناموں سے پکارا جاتا تھا، اور عہد عتیق میں مندرجہ ذیل ممالک افغانستان میں شامل تھے:۔

تخارستان[1] (موجودہ بدخشاں) باکتر[2] (مزار و میمنہ) سغد[3] (بخارا اور سمرقند) خوارزم[4]، اریانا[5] (ہرات) ایارتیا[6]، (خراسان) کاراماتیا[7] (کرمان) ساکاستینیا[8] (سیستان) اراکوزیا[9] (ہشت رود اور قندھار) اوسبیا[10] (بلوچستان)، ڈیکش[11] (پنجاب)، اندس[12] (سندھ) بلورستان[13] (کشمیر)۔ نورستان[14] (چترال)، پاکتیا[15] (جنوبی افغانستان) گاندارا[16] (پشاور و سوات) کابل[17]۔ غور[18] (ہزارہ جات و غور)

مختلف و متعدد انقلابات اور پے در پے لڑائی جھگڑوں کے سبب سے افغانستان کی حدود بہ نسبت سابق کے نہایت محدود اور مختصر ہو کر رہ گئی ہیں۔ موجودہ مملکت افغانستان کا رقبہ فرانس کے رقبہ کے مطابق ہے۔

زمانۂ تاریخ سے قبل ہندو اور یوروپین قبائل ایشیا کے مرکز میں رہتے تھے، ان ہی قبائل میں سے ایک قبیلہ آران جو کہ قبائل کی آٹھویں شاخ ہے۔ یوروپین شمار ہوتے تھے۔ یہ لوگ تقریباً ۳ ہزار سال قبل مسیحؑ، سردریا اور آمو وغیرہ کے وسیع اور کشادہ میدانوں میں بود و باش رکھتے تھے اس بعد دریائے آمو کو عبور کرکے باکٹریا (بلخ) میں متوطن ہو گئے، اور چونکہ یہ سب لوگ خانہ بدوش قوم تھے، بعض افغانستان کے جنوب میں اور بعض بہت دور دراز مقامات میں مثلاً پشاور جلال آباد، وغیرہ چلے جاتے تھے، لیکن کبھی ہندوستان یا افغانستان میں دائمی طور سے متوطن نہ ہوئے، بلکہ موسم گرما، گرم میدانوں میں اور موسم سرما خوشگوار اور سر سبز وادیوں میں بسر کرتے تھے، یہ لوگ زراعت پیشہ اور گلہ بان تھے، اور اُس وقت اُن کا مذہب عناصر پرستی تھا۔ صرف اچھی زمینوں اور چراگاہوں کے واسطے لڑنا جھگڑنا اور جدال و قتال اُن کی پالیسی تھی۔

ولادت مسیحؑ سے ۶ قرن پہلے افغانستان ہخامنش کے حملوں کے ماتحت فارس قرار پایا۔ اور ان کی ترقیوں نے افغانستان، فارس، اور تمام مرکزی ایشیاء کو پرسلوس سے لے کر بلخ تک ایک نظامِ حکومت میں منظّم کر دیا۔

”داریوش،، نے اصفہان اور افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر ہندوستان پر حملہ کر کے (۴۸۵ تا ۵۲۱) فتح کر لیا۔ یہ تمام ممالک داریوش کی موت کے بعد منتشر ہو گئے۔ اور اس کی موت کے سبب ہخامنشی خاندان بالکل کمزور ہو گیا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ سکندر رُومی کی حکومت افغانستان اور ایران میں قائم ہوئی۔

سکندر رومی نے ۱۸۰۰۰ فوج کے ساتھ ۳۳۳ قبل مسیحؑ میں ایران پر حملہ کیا۔ اور اُس کی فتح کے بعد افغانستان کا رُخ کیا۔ چار رُومی بادشاہوں کے دَورِ حکومت سے کچھ عرصہ کے بعد جنہوں نے افغانستان میں حکومت کے ساتھ ساتھ سکونت اختیار کر لی تھی۔ یعنی آربیس، آسیلس، اونینس، سیالبرسس وغیرہ نے افغانستان کے شاہان کوشانی سے شکست کھائی۔

کوشانی حکومت کے زمانہ میں اہلِ افغانستان عموماً اور رسماً بدھ مذہب کے پیرو تھے، اور کانشکا کے زمانۂ حکومت میں کوشانی اپنے انتہائے عروج و کمال پر تھے، اور اُس زمانہ میں افغانستان

دُنیا کے ممالک میں ایک خوش نصیب ترین ملک شمار ہوتا تھا۔ اور اُس کے اثرات ایک طرف چین کی سرزمین میں اور دوسری طرف ہندوستان داخل ہو گئے تھے۔

بالآخر شاہان ہیاطلہ کے حملوں اور اُن کی چڑھائیوں سے یہ سلطنت کمزور ہو گئی، اور وہ افغانستان سے مستفید ہونے لگے۔

مذکورہ بالا ہیاطلہ لوگ تاکا ہاریم لوگوں میں مل جُل گئے، اور اُنہوں نے بدخشاں کے شمال مشرق میں سکونت اختیار کر لی۔

اولاً ترکوں نے، اس کے بعد چینیوں نے افغانستان پر اپنا اثر و اقتدار قائم کیا۔ اور یہ حملے ۷ و ۸ قرن بعد ولادت مسیح ہوئے۔

ساسانیوں نے فارس سے افغانستان پر حملہ کیا، اور ظہور اسلام کے زمانہ تک حکمران رہے۔

خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانانِ عرب نے فارس کی فتح کے بعد افغانستان کا رُخ کیا۔ اور وہاں کے تمام باشندوں کو بُدھ مذہب کی پیروی سے نجات دلا کر دین پاک اسلام سے مشرف کیا۔

خاندان ساسانی بلخ میں حکومت کرتا تھا۔ اور خلفائے بغداد سے بھی ربط وضبط رکھتا تھا اور یہ لوگ وسط ایشیاء کے حکمران کہلاتے تھے۔

طاہری خاندان کے تین سلاطین نے سنہ ۲۰۵ھ سے سنہ ۲۴۹ھ تک وہاں حکومت کی۔ ان کے زمانہ میں زرعی ترقی اعلےٰ پیمانہ پر پہنچی ہوئی تھی۔

غزنوی حکومت کے زمانہ میں افغانستان کمال عروج پر پہنچا ہُوا تھا۔ اور افغانستان کی حدود اُس زمانہ میں شمال میں فرغانہ تک اور جنوب میں ہندوستان تک تھیں۔ غزنی اُن کی حکومت کے زمانہ میں دارالخلافہ تھا۔ جو کہ علم وادب اور تمدن کا مرکز اور فنون کا منبع سمجھا جاتا تھا۔ اور تمام زمانہ کے فلاسفر، مؤرخ، اور ادیب، سلطان غزنوی کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ چنانچہ اُنہیں میں سے ایک مقتدر ہستی فردوسی طوسی علیہ الرحمۃ کی تھی۔ جن کی تصنیف "شاہنامہ"، جیسی رزمیہ اور تاریخی کتاب صفحہ روزگار پر اب بھی غزنوی عظمت ووقار کی زندہ مثال موجود ہے۔

خاندان غوری:۔ "غوری" ہرات کے نزدیک اور تقریباً افغانستان کے مرکز میں سکونت پذیر تھے۔ وہ لوگ نہایت جنگجو اور بہادر تھے۔ انہوں نے غزنی پر حملہ کر کے تمام تمدن اور مآثر، مساجد کو منہدم اور برباد کر دیا۔ اس کے بعد فاتحین نے یکے بعد دیگرے افغانستان کو خراب وتاراج کیا۔ اور اس کی معاشرت

و تمدن کو برباد کرتے رہے۔ ان میں سے پہلا "خوارزم شاہ" ہے، اس کے بعد مغل اور بعد چغتائی اور سب سے آخر میں "نادر شاہ افشار" شمار ہوتا ہے۔

نادر شاہ افشار کے قتل کے بعد درّانی سرداروں میں سے (احمد شاہ ابدالی نے، جوکہ درّانی سرداروں میں سے نادر شاہ کے لشکر کا ایک سردار تھا۔

بالائے افغانستان میں اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ اور ساتھ ہی اپنی توجّہ افغانوں کے اتحاد اور ترتیب اور تنظیم کی جانب مبذول کی۔ اور جب ان سے خاطر جمع ہو گئی۔ تو ہندوستان پر حملہ کا ارادہ کیا۔ چنانچہ سات مرتبہ حملہ آور ہُوا۔ اور ہر مرتبہ مظفّر و منصور ہُوا۔ لیکن اس کے نواسہ کی غفلت کے سبب اس وسیع سلطنت نے اپنی بزرگی اور عظمت کو خیرباد کہدیا۔

جب وہ لوگ کمزور ہو گئے۔ اور افغانستان پر اچھی طرح حکومت نہ کر سکے۔ تو دوسرے سرداروں نے، جو محمّد زئی گروہ سے شمار ہوتے تھے۔ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ امیر دوست محمد خان ۱۸۴۲ء میں ان میں کے پہلے بادشاہ ہوئے۔

اسی زمانہ میں خارجی قوّتوں نے بھی دخل اندازی شروع کی۔ ..... اور محاربات نے افغانستان کو بہترین علاقہ جات مثلاً سندھ، کشمیر، شمالی ہند، بلوچستان اور دوسرے علاقوں سے محروم کر دیا۔

۱۸۷۹ء میں افغانستان نے برطانوی حکومت سے معاہدہ کر کے خارجی آزادی کو ہاتھ سے کھو دیا اور داخلی امور میں حسب سابق آزاد تھا۔ اور یہ حالت ۱۹۱۹ء تک قائم رہی۔ اس کے بعد دوبارہ افغانوں نے انگریزوں سے جنگ کی۔ اور اپنی آزادی کو کامل طور پر حاصل کیا۔

(آریہ مسافر (لاہور)

جانی اور مالی نقصانات

جنگ عظیم میں ایک کروڑ اشخاص ہلاک ہوئے۔ اگر وہ طلوع آفتاب سے غروب شمس تک پانچ پانچ اشخاص کی صفیں بنا کر کسی مقام سے گذرنا شروع کرتے۔ تو تمام اس کے سامنے سے بانوے دن میں گذر سکتے ان کے علاوہ ایک کروڑ تیس لاکھ ایسے اشخاص تھے جو یا تو زخمی ہوئے یا مفقود الخبر، ایک کروڑ پناہ گزینوں کے علاوہ ۶۰ لاکھ ایسے بچے بھی تھے۔ جو جنگ کی وجہ سے یتیم ہو گئے۔ دوران جنگ میں جانوں کا روزانہ اتلاف ۱۶ ہزار ۵ سو پچاس تھا اور اخراجات کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش سے لیکر آجتک ۳ ہزار ۶ سو پونڈ فی گھنٹہ خرچ کئے جائیں۔ تب کہیں اتنی رقم بنتی ہے جتنی کہ دوران جنگ میں صرف ہوئی ۔ (الفضل)

بیرون ہند خریداران اُردو ریویو کیلئے

مندرجہ ذیل خریداران اُردو ریویو آف ریلیجنز توجہ فرمائیں کہ ان میں سے سوائے چار کے باقی کے نام رسالہ برابر جاری ہے اور ان کا چندہ اس تاریخ کو ختم ہوچکا ہے جو ہر ایک نام کے آگے دی گئی ہے ۔

مہربانی فرماکر تین روپے بارہ آنے سالانہ کے حساب سے دسمبر ۱۹۳۷ء تک کے لئے چندہ بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر بغیر کراس مارک عنایت فرمائیں ورنہ جن کے نام دو سال سے رسالہ بغیر وصولی قیمت جارہا ہے ان کے نام سے آئندہ رسالہ تا وصولی قیمت بند کرنا پڑے گا ۔ مینجر رسالہ اُردو ریویو آف ریلیجنز دارالامان

۸۳۱	قاسم منگیا صاحب کنیا کالونی جون ۱۹۳۱ء	۲۰۰۱	ڈاکٹر احمد الدین صاحب ٹانگہ ناٹیکا دسمبر ۱۹۳۵ء
۱۰۵۰	ایم محمد عالم صاحب " دسمبر ۱۹۳۴ء	۲۰۱۵	سکرٹری احمدیہ ایسوسی ایشن فروری ۱۹۳۵ء
۱۲۸۲	ایم محمد یوسف صاحب افریقہ دسمبر ۱۹۳۵ء	۲۰۲۱	ایم محمد یوسف صاحب دارالسلام یوگنڈا بقایا ۱۲/۔
۱۴۴۳	سلیمان ہولاس صاحب ماریشس دسمبر ۱۹۳۳ء	۲۰۴۴	شیخ سبحان ڈسبری ماریشس بقایا ۱۰/۔
۱۵۳۰	محمد بشیر خاں صاحب نیروبی دسمبر ۱۹۳۴ء	۲۲۹۱	ڈاکٹر احمد احمدی یوگنڈا جولائی ۱۹۳۵ء
۱۵۶۷	ڈاکٹر ایم ایس نواز خاں صاحب فروری ۱۹۳۶ء	۲۲۹۰	اے ایچ احمدی جنجہ یوگنڈا جولائی ۱۹۳۵ء
۱۶۲۲	سلیمان تیجو ماریشس بقایا ۸/۔	۲۲۸۹	ڈاکٹر احمد الدین صاحب یوگنڈا جولائی ۱۹۳۶ء
۱۹۰۲	حاجی عبداللطیف صاحب بغداد مارچ ۱۹۳۶ء	۲۲۹۳	ایم اے غفور صاحب کنٹرکٹر جنجہ بقایا ۵/۔
۱۹۰۴	غلام محمد صاحب کنیا کالونی مئی ۱۹۳۴ء	۲۲۸۰	سیٹھ عبداللطیف اسماعیل بغداد اپریل ۱۹۳۵ء
۱۹۵۶	ڈاکٹر بی ڈی احمد صاحب " ستمبر ۱۹۳۴ء	۲۲۵۲	سراج الدین صاحب جینو انجینئر ستمبر ۱۹۳۵ء ھنادی

قابل توجہ احباب جماعت احمدیہ

اکثر تعلیمیافتہ دوستوں کا تقاضا تھا کہ آجکل لامذہبی کا فتنہ بڑھ رہا ہے۔ اسلئے ضرورتِ مذہب پر مضامین شائع ہونے چاہئیں۔ الحمد للہ کہ مجھے اس سلسلہ میں سب سے پہلا مضمون جو علاوہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے افاضات سے ہے۔ اور جو ابھی تک شائع نہیں ہوا تھا۔ افادہ ناظرین کیلئے میں نے ایک ہی اشاعت ماہ جنوری میں تمام دیدیا۔ اور اس کی اہمیت کے لحاظ سے کسی اور مضمون کو اسکے ساتھ ملانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ رسالہ جنوری زیادہ تعداد میں چھپوایا گیا ہے۔ تاکہ دوست اسکی متعدد جلدیں بحساب چار آنے فی جلد منگواکر تقسیم کریں۔ جتنی جلدیں مطلوب ہوں جلد خرید لیں۔ اور اس رسالہ کے مستقل خریدار تین روپے سالانہ پیشگی اداکر کے فائدہ اٹھائیں۔ اور حضرت مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام کی خواہش مبارک کو پورا کر کے سعادت دارین حاصل فرمائیں۔ مندرجہ ذیل چند اور رسالے بھی کم یاب و قابل دید ہیں:-

نام رسالہ	اصل قیمت	رعایتی	نام رسالہ	اصل قیمت	رعایتی
خلق محمدی منظوم	۳/	۱۰/	مجمع البحرین	۵/	۳/
چند روحانی بیماریوں کا علاج	۲/	۱/	کمالات احمدیہ	۴/	۲/
صداقت مسیح موعودؑ	۳/	۱۰/	استخلاف	۴/	۳/
نشانات احمدیہ	۲/	۱/	قبولیت دعا کے چھیاسی گر	۱/	۱/
مقدس نبیؐ کے مقدس حالات	۴/	۲/	معارف القرآن	۱۰/	۵/
افادات الفریدی	۲/	۱/	نغمۂ اکمل حصہ ہشتم	۱/	۱/
اسلامی قادر مطلق اور آریہ سمروشکتیمان	۴/	۲/	〃 〃 〃 نہم	۱/	۱/
مباحثہ نیروبی جلد ۳	۱۲/	۶/	حضرت مسیح موعودؑ فارسی الاصل ہیں	۴/	۲/
البیان الوفی فی معنی التوفی	۴/	۲/	ریویو اردو کے فائل از ۲۲ء		
نش کلنک اوتار	۶/	۳/	تا ۳۶ء ۱۵ جلدیں بجائے	۵۴ روپے کے	۲۲½ روپے
مباحثہ مصر (پادری سے)	۴/	۲/	علاوہ محصول ڈاک		
الحجۃ البیضاء فی المعراج والاسراء	۵/	۲/	فائل مصباح از ۲۷ء تا ۳۶ء		
مسئلہ معراج الرسولؐ	۵/	۲/	دس فائلوں کی قیمت بجائے	۲۵ روپے کے	۱۲ روپے ۸/
مقصد مذہب	۳/	۲/	مینیجر مصباح و ریویو اردو قادیان پنجاب		

ریویو آف ریلیجنز اردو۔ قادیان دارالامان۔ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۷ء۔ رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۴۹

ڈابر (ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن) لمیٹڈ

پچاس برس سے مشہور ولاثانی دیسی پیٹنٹ دواؤں کا ہندوستانی وسیع کارخانہ

صیغہ نمبر ۱۱۷ — پوسٹ بکس ۵۵۴ — کلکتہ

گرمی آرہی ہے
ابھی سے اپنے پاس رکھئے

STAR (REGD)

پودین ہرا Regd

(عرق پودینہ)

اس کے استعمال سے بدہضمی - ریاح - پیٹ درد وغیرہ بدہضمی اور ریاحی فساد جلد رفع ہوتے ہیں بچوں کی بدہضمی و دودھ کی قے کو رفع کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسری دوا نہیں ہے۔ یہ ہری پتیوں سے بنا ہے اس لئے بازاری پودینہ کے عرق سے یہ کہیں زیادہ مفید ہے۔

قیمت۔ بڑی شیشی ۱۳؍ تیرہ آنہ ڈاک محصول ۷؍
" چھوٹی شیشی ۱۰؍ دس آنہ ڈاک محصول ۷؍
نمونہ ۲؍ جو صرف ایجنٹوں سے ہی مل سکتا ہے

ڈابر جنتری ۱۹۳۷ء بلا قیمت مفت منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

نوٹ: دوائیں ہر جگہ ملتی خریدتے وقت اسٹار ٹریڈ مارک اور ڈابر نام ضرور دیکھ لیا کریں۔

ضرورت ہے
پنجاب کے خاص خاص شہروں میں سول ایجنٹوں کی

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپکر قادیان سے مالکان کے لئے شائع کیا)